GOULD'S YOUTH'S NOBLE PATH

PART (I)

حصہ اول

جسکو

مولوی سید ضامن کنتوری

نے

ایف جے گولڈ صاحب کی کتاب یوتھس نوبل پاتھ سے

حسب الحکم جناب ناظم صاحب سررشتہ تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی ترجمہ کیا

LONGMANS, GREEN & Co., LTD.

53, NICOL ROAD, BOMBAY

6, OLD COURT HOUSE STREET, CALCUTTA

36A, MOUNT ROAD, MADRAS

LONDON NEW YORK. TORONTO

[illegible]

Price Eight (12 Annas

فہرست مضامین

سبق پہلا

تحفظ و استیصال

جنگجو سپاہی تلوار ہاتھ میں لیے مٹانے کو جاتا ہے ایسا جنگجو تاتاروں کا سردار، تیمور، تھا جس نے لاکھوں آدمیوں کو قتل کیا۔ اور اُن کے سروں سے مینار بنائے۔

راج یا معمار ایک مکان کا نقشہ تیار کرتا، زمین پر رنگ ڈالتا، اور بنیاد کھودتا ہے۔ اُس کے اور اُس کے ساتھیوں کے مشغول ہاتھ کسی کسان کا جھونپڑا، یا کسی شاہزادے کا محل بناتے ہیں، یا کسی محبوبہ کا عالی شان مقبرہ تعمیر کرتے ہیں، جیسے آگرہ کا تاج محل۔

کیا مٹانا ہر حالت میں بُرا ہے؟ ہندوستان کے بچو! اگر تمہارے دست بازو طاقتور ہوں تو کیا تم ہمیشہ بنایا ہی کرو گے یا کبھی مٹاؤ گے بھی؟ اچھا اگر مٹاؤ گے تو کس کو مٹاؤ گے۔

ایک شیر خوار بچہ ایلو پیے کی جھاڑیوں میں پڑا ہوا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ زندہ بچے گا! اُس کی ماں اُسکو مرنے ہی کے لیے یہاں پھینک گئی ہے۔ مگر واہ ری تیری

قدرت اجھاڑی کے پھولوں سے شہد کی بوندیں اُسکے حلق میں ٹپکتی ہیں، اور وہ انھیں پی کر زندہ رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک نیک دل عورت شیبو کے مندر میں پوجا کرنے آتی ہے جو اُسی جھاڑی کے قریب واقع ہے۔ جب اُسکی نظر اس معصوم بچہ پر پڑتی ہے، رحم کا مبارک جذبہ جوش میں آتا ہے اور وہ اس مجہول النسب لڑکے کو اُٹھا کے اپنے شوہر پاس لاتی ہے، وہ بھی اُسے دیکھ کے خوش ہوتا ہے، کیونکہ اُسکی گھر والی کے کوئی بیٹا نہیں ہے اور اب بھی لاوارث طفل جھاڑی سے اُٹھا کے آیا ہے اُنکا مُنھ بولا بیٹا دیا تھا یہ سچ ہے کہ وہ ہمسایوں کے ڈر سے خود اُسکو دیکھ بھال کر سکتے تھے۔ اسلیئے کہ وہ لوگ ایک بدنصیب بچے کی پرورش کرنے کے باعث اُنکو بُرا بھلا کہتے تھے۔ انکو اپنے بھائی بندوں کے خیالات و رسومات کے خلاف عمل کرنے کی جرأت نہ تھی۔ اسلیئے اُنھوں نے مویشی خانہ میں ایک پالنا ڈلوا دیا تھا ایک نیچ ذات عورت کو اُسکی پرورش کیلیئے مقرر کیا جب لڑکا پانچ سال کا ہوا۔ اُسکے ہاتھ پاؤں میں طاقت اور عقل میں کسی قدر روشنی آئی تو اُسنے اپنے محسنوں کو خدا حافظ کہہ کے راہ سفر اختیار کی۔ گھر سے چل کے پہلے وہ ایک تاڑ کے درخت کے نیچے ٹھہرا۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ درخت بھی اُس سے محبت کرتا اور اُسی طرح خبر گیری کرنی چاہتا ہے جیسے وہ عورت جو اُسکو جھاڑی سے اُٹھا کے لے گئی تھی۔ ہر چند درخت بہت بلند تھا اور یہ اُمید نہیں ہو سکتی تھی کہ پتّوں کا سایہ تمام دن اُس لڑکے پر رہے گا۔ مگر کہتے ہیں کہ یہ سایہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹا۔ اور دن بھر اُسکو دھوپ سے بچایا اب سوال یہ ہے کہ اُس عورت نے کیوں اُس لڑکے کی پرورش و نگہداشت کی ؟ -

تاڑ کے درخت نے کیوں اسکو دھوپ سے بچایا؟ اس لیے کہ اُس زندگی اور اُس کا
وجود قیمتی تھا لیکن اُس کا وجود قیمتی کیوں تھا؟ کیونکہ یہی لڑکا جس کا نام **ترووالور**
تھا بڑا ہو کے تامل زبان کا ناسور اور مجسم شاعر ہونے والا تھا جسنے مشہور و معروف
نظم **کورال** تصنیف کی۔

مختصر یہ کہ دُنیا میں بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی حفاظت کرنی چاہیئے کیونکہ وہ دُنیا
کو بشارت دینے والی ہیں۔ اگر ہمارے دست و بازو قوی ہوں تو خوش ہونا چاہیئے کہ ہم
سچائی حُسن اور نیکی کی مدد کر سکیں گے اور اُنکو فنا اور نقصان سے بچائیں گے۔
مگر جو محافظت کرتے ہیں اُنھیں کو کبھی لڑنا بھی پڑتا ہے۔ **تراوالور** جسنے دُنیا کو
سُنہری ہدایتیں کیں اور اُنکو اپنی تعلیم سے روحانی غذا پہونچائی لڑنا اور ہلاک کرنا بھی
جانتا تھا۔ تم پوچھوگے کہ وہ کس سے لڑا اور اُس نے کس کو ہلاک کیا؟ اُس نے

کاویری پاکم کے دیو کو مارا!

کہتے ہیں کہ **کاویری پاکم** میں ایک بہت بڑا زمیندار تھا جسکے پاس ایک
ہزار ہل اور بہت سی زمین تھی اور وہ بہت بڑا کاشتکار تھا۔ اُسکے گاؤں میں ایک
دیو کا گذر ہو گیا۔ اُس نے ساری بستی کو خوف زدہ اور تنگ کر دیا۔ ہرے بھرے کھیتوں
کو اُکھاڑ پھینکتا اور مویشیوں کو ہلاک کر ڈالتا، جس کے باعث **کاویری پاکم** کے
باشندے اکثر مغموم رہا کرتے تھے۔
زمیندار کہتا تھا کہ جو بہادر ہمکو اس دیو سے نجات دلائے گا میں اُسکو سکان

زمین اور نقد جنس انعام دونگا۔ ایک مدت تک کوئی ایسا بہادر پیدا نہ ہوا جو اس کام کی حامی بھرے۔ آخر زمیندار نے اُن گیانیوں سے مشورہ کیا جو ملئے پہاڑ پر رہتے تھے کہ اس بارے میں کیا کرنا چاہئے؟ سب نے جواب دیا کہ تروالور کے پاس جائیے۔

زمیندار اُس نوعمر شاعر کے پاس گیا اور اس سے مدد کا طالب ہوا۔ تروالور نے تھوڑی سی راکھ لے کر اپنی ہتھیلی پر جمائی۔ اُس پر پانچ اَچھر لکھے اور کچھ منتر پڑھ کے دم کئے۔ پھر اُس راکھ کو ہوا میں اڑادیا۔ اُن حروف اور منتروں کی تاثیر سے دیو ہلاک ہوگیا۔ کاریری پاکم کے باشندوں کو اُسکے شہر سے نجات ملی اور اُنکے دل خوشی سے باغ باغ ہوگئے۔

جب تروالور مدورہ میں آیا لوگوں نے اُسکی نصیحت آمیز نظم کورال کو سُننے کے شوق میں اُسکے گرد ہجوم کیا اور ایک ایسے لڑکے کی زبان سے جو اوپے کی جھاڑی میں پڑا ملا تھا یہ اور اسطرح کے اور الفاظ سُن کے بے حد متاثر ہوئے۔

"دونوں جہاں میں تلاش کرو گے"

"جب بھی کوئی نیکی رحم و کرم سے بڑھ کے نہ پاؤگے"

لگر تالاب کے کنارے جس کے صاف و شفاف پانی میں کنول کے خوشنما پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ ایک تخت پر چند شاعر بیٹھے تھے۔ ان شاعروں کو یہ گوارا نہ ہوا کہ ایک نیچ ذات شاعر کو اپنی صحبت میں شامل کریں اسلئے اُنھوں نے دیر تک اُلٹے سیدھے سوالات سے تروالور کو عاجز کرنے اور اُسکی غلطی پکڑنے کی کوشش کی جب اسطرح

پر کچھ کامیابی نہ ہوئی تو سب نے کہا کہ "او بد نسلے! تو اپنی نظم اس تخت پر رکھ دے
اگر وہ درحقیقت سچائیوں اور خوبیوں کا مجموعہ ہے تو تخت تیری ہی نظم (کورال) جگہ دیگا"
یہ سُن کر تروالور نے اپنی نظم تخت پر رکھ دی۔ قصہ میں ہے کہ تخت اسقدر سمٹا
کہ اس کاغذ کے سوا کسی اور چیز کے لئے جگہ نہ رہی۔ مدورہ کے انچاس حاسد شاعر جو اُس پر
بیٹھے تھے سب کے سب تالاب میں گر پڑے، اور کیچڑ پانی میں لت پت ہو کے نہایت
ذلت اور زحمت کے ساتھ اُس میں سے نکلے۔ کہتے ہیں کہ جس وقت سے مدورہ کے
اُن انچاس شاعروں کو ذلت نصیب ہوئی اسوقت سے اب تک تامل زبان
بولنے والے نظم کورال کو نہایت پسندیدگی اور وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں

بتاؤ کہ دیو کا ہلاک کرنا جائز تھا یا ناجائز؟ بے شک جائز تھا۔

—

اچھا مدورہ کے انچاس شاعروں کا تالاب میں گر جانا کیسا تھا؟ وہ بھی اچھا
تھا اس لئے کہ یہ انچاس آدمی اپنی اونچی ذات پر مغرور اور نیچ ذات لوگوں کی اہانت
کرنے پر نازاں تھے۔ اس دنیا میں اچھی چیزیں بھی ہیں اور بُری بھی۔ ہمکو لازم ہے کہ اچھی چیزوں
کی نگہداشت اور حفاظت اور بُرائی کی بیخ کنی اور اہانت کی کوشش کریں
تروالور جو بہت بڑا شاعر تھا اُس نے بھی یہی کیا، اور وہ لوگ بھی یہی کر سکتے
ہیں جو اعلیٰ درجے کی دلکش اور پُر مغز نظمیں لکھنے پر قادر نہیں ہیں۔

جس طرح تروالور نے بُرائی کو اچھائی سے الگ کیا اسی طرح اُس کی بہن
اووائی نے بھی کیا۔ ایک دن وہ پرانی گذھر کی ایک گلی میں زمین پر بیٹھی ہوئی تھی

کہ تین شخص اُدھر سے گزرے - اُن میں ایک راجہ تھا اور دو شاعر -- جب راجہ اووائی کے قریب پہونچا تو اُس نے تعظیماً اپنا پاؤں کھینچ لیا - اسی طرح جب ایک شاعر قریب آیا تو دوسرا پانو بھی کھینچ لیا - مگر جب دوسرا شاعر اُسکے برابر آیا تو اُسنے دونو پاؤں پھیلا دئے بہ ظاہر اووائی کا یہ فعل خلاف تہذیب تھا - مگر بے سبب نہ تھا - اووائی جانتی تھی کہ یہ شاعر بنا ہوا ہے - وہ اپنے تیئں بڑا ذکی اور قابل ظاہر کرتا ہے مگر در اصل ایسا نہیں ہے - چنانچہ جب اووائی کی اس حرکت سے کسی قدر ناخوش ہوا تو اووائی نے اُس سے کہا اچھا تم مجھے ایک شعر نظم کر دو جسمیں تین جگہ "عقل" کا لفظ آئے شاعر نے بہ مشکل ایک شعر سرانجام دیا مگر عقل کو دو ہی جگہ کھپا سکا - تب اووائی نے اُس سے ہنسکر کہا کہ یہاں تیری "عقل" کیوں کھو گئی - غرض اُس نے شاعر کو شرما دیا اور جھوٹے کو گھر تک پہونچا دیا - کیا تم سمجھتے ہو کہ اووائی کو اپنے اس خلاف تہذیب برتاؤ سے کچھ مسرت حاصل ہوئی ہوگی ؟ ہرگز نہیں ! مگر وہ مجبور تھی اُس کو بناوٹ اور خودنمائی سے نفرت تھی -

پس ہمکو چاہئے کہ شریف و سعید کے قدم بہ قدم چلیں اور رذیل و کمینہ کی صحبت سے دور بھاگیں - جیسا کہ **اووائی** نے کہا ہے کہ :-

"اچھے لوگ اچھوں کے ساتھ رہتے ہیں جیسے ہنس کی" لطافت طبع اُسکو تالاب کی طرف مائل کرتی ہے - جہاں کنول کے خوشنما پھول کھلتے ہیں"

"اسی طرح بُرے بُروں کی صحبت ڈھونڈھتے ہیں جیسے گدھ مردار کی

بوسے بد پر گرتا اور اُس نجس غذا کو قوت جان سمجھتا ہے"

ہندوستان کے بہادر بچو! اب یہ بتاؤ کہ کون سی بُری چیزیں ہیں جن کو دفع کرنا تمہارا اور دُنیا کے دوسرے بہادر بچوں کا فرض ہونا چاہئے۔

آدمی کا فرض ہے کہ انسان کو نقصان پہونچانے اور ہلاک کرنے والے صحرائی درندوں۔زہریلے کیڑوں، اور طاعون پھیلانے والے چوہوں اور مچھروں کے خلاف جنگ کرے یعنی اُن کو دفع کرنے کی کوشش کرے۔

اُس کا فرض ہے کہ طغیانیوں کی روک کرے۔پُرزور ندیوں پر پل اور پُرشور دریاؤں کے مستحکم بند باندھے۔

اُسکو چاہئے کہ مضبوط جہاز بنائے جو وسیع سطح سمندر پر چلیں اور طوفانی موجوں اور بادِ تند کے جھونکوں پر غالب آئیں۔

اُسکو چاہئے کہ مرطوب مقامات سے پانی بدروں کے ذریعہ سے نکالنے کا انتظام کرکے گٹھیا اور بخار کے مہلک امراض کو دفع کرے جو اکثر مرطوب مقامات میں پیدا ہوتے ہیں۔

اُس کو چاہئے کہ لائق و حاذق طبیبوں کو بھیج کر بیماروں کو شفا بخشوائے اور ہر مضر صحت اور بستیوں کی آب و ہوا کو بگاڑنے والے اسباب کو دور کرے۔

اُسکو چاہئے کہ اپنے ملک سے بلکہ دنیا کے ہر ملک سے افلاس کو دور کرے۔ جو فاقہ کشی کا باعث ہوتا ہے حتیٰ کہ غریب مائیں اپنے بچوں کو بھوک سے تڑپتا دیکھتی

اور کلیجہ مسوس کے رہ جاتی ہیں۔

بر خلاف اُسکے وہ کیا چیزیں ہیں جن کی آدمی کو حفاظت و نگہداشت کرنی چاہیئے

آدمی کو چاہیئے کہ آدمی کی جان کی حفاظت کرے کیونکہ ہر بچہ جو عدم سے وجود میں آتا ہے اُس کا وجود قیمتی ہے۔

آدمی کو چاہیئے کہ اغذیہ کی کمیت اور پانی کی لطافت کی حفاظت کرے تاکہ اُن میں کوئی مضر صحت چیز شامل نہ ہونے پائے۔

اُسکو چاہیئے کہ جن مکانوں میں آدمی بستے ہوں اُس کی محافظت کرے تاکہ دیواریں اور چھتیں کینوں کو آندھی پانی اور دھوپ سے بچا سکنے قابل رہیں۔

اُسکو چاہیئے کہ درختوں کی۔ پھولوں کی۔ اور ہر ایسے پودے کی حفاظت کرے جو جسم کو غذا یا روح کو فرحت بخشنے والے ہیں۔

اُسکو چاہیئے کہ مقدس معبدوں۔ نفیس مجسموں۔ خوشنما تصویروں۔ خوبصورت برتنوں۔ نادر قالینوں۔ دلکش گیتوں۔ اور دلاویز نظموں کی محافظت کرے کیونکہ یہ سب چیزیں اپنے حسن سے ہمارے دلوں میں مسرت پیدا کرتی ہیں۔

اُسکو چاہیئے کہ اپنے ملک کے کار آمد حیوانات کی حفاظت کرے جو اُس کے وفادار خادم ہیں۔ یعنی وہ دودھ دیتے زمینوں کو جوتتے اور بار برداری کرتے ہیں۔

بالآخر سب سے بہتر اور مقدم فرض انسان کا یہ ہونا چاہیئے کہ انسان کے دل کی محافظت کرے جو محبت کرتا ہے۔ دماغ کی جو سوچتا ہے۔ اور ایسے ہاتھ کی جو کرنے کام کرتا ہے

سبق دوسرا

جرأت (۱)

تم پانی میں گر گئے! سیل کی کثرت اور قوت نے تم کو خوف زدہ نہیں کیا!
تم نے ہاتھ پاؤں مارے داحسان ہے اُس اُستاد کا جس نے تمھیں تیرنا سکھایا
موجوں کا مقابلہ کیا اور پانی سے بچ کر نکل گئے۔ یہ تم نے بہادری کی!
تم سو رہے ہو! دفعتہً غل ہوا! آگ لگی اس صدا نے تمکو چونکا دیا۔ تم
اپنے بستر سے اُٹھے اور بلاخیز شعلوں کو لپکتے دیکھا۔ مگر تمھارے دل مایوسانہ وحشت
اور خوف طاری نہیں ہوا بلکہ تم دھوئیں میں۔ انگاروں میں شعلوں میں کودتے
پھاندتے نکل گئے یہ جرأت ہے!
میں ایک بار ایک مدرسے میں گیا جہاں انگریزوں کے ننھے ننھے بچے رہتے
اور پڑھتے تھے۔ ان کی عمریں تین برس سے سات برس تک کی تھیں۔ ان
میں لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی۔ کوئی کچھ پڑھ رہا تھا۔ کوئی نقشہ نویسی
میں مشغول تھا۔ کوئی کہانیاں سُنتا تھا، اور کوئی گاتا تھا۔
معلّمہ نے مجھ سے کہا دو آؤ آگ لگنے کا الارم (اطلاع) دیکر ان بچوں کو آزمائیں۔
یہ کہہ کے اُسنے سیٹی بجائی بچے فوراً کتابیں۔ پنسل۔ جالی بُننے کی سوئیاں

غرضیکہ جس کے ہاتھ میں تھا پھینک پھانک کھڑے ہو گئے اور معلّمہ کے اشارے پر ایک کے پیچھے ایک نکل کر صحن کی طرف بھاگے۔ چند لمحوں میں جماعت کا کمرہ خالی ہو گیا۔ وجہ یہ کہ اُن بچوں کو آگ کے خطرے کا مقابلہ کرنا اور جرأت سے کام لینا سکھایا گیا تھا۔

تم کس لئے تیرے ؟ اپنے لیئے۔

تم نے کس کے لیئے آگ کے شعلوں کا مقابلہ کیا ؟ اپنے لیئے۔

بچوں نے کس کے لئے آگ کا خطرہ جھیلا ؟ اپنے لیئے۔

اِن تینوں مثالوں میں جرأت کا اظہار اپنے بچاؤ کے لئے کیا گیا ہے۔ کیا اِس میں کوئی قباحت ہے ؟ ہرگز نہیں۔ اپنی جان بچانا اور اُس کی حفاظت میں جرأت دکھانا بالکل واجبی ہے۔

اب میں تم کو مادھو کا قصّہ سناتا ہوں جو کتاب بھوابھوتی میں درج ہے۔ مادھو ایک مندر کے باہر سیر ٹہل کر رہا ہے۔ ناگاہ اُس کے کان میں فریاد کی دردناک آواز آتی ہے۔ وہ گھس بیٹھ کر مندر کے اندر داخل ہوتا ہے اور چمنڈا دیبی کی قربانگاہ تک پہونچ جاتا ہے۔ یہاں کیا دیکھتا ہے کہ ایک مظلوم عورت اس خونخوار دیبی کو بھینٹ چڑھائے جانے کیلئے سر جھکائے کھڑی ہوئی کا انتظار کر رہی ہے۔ یہ مظلوم عورت مالتی ہے۔ اس بیچاری کو سوتے میں اٹھالائے ہیں۔ قربان گاہ کی اس کوٹھری میں ایک بیاہ ہے یا پوجاری اور پوجارن۔ ادھر پوجاری اس کے قتل کو خنجر اٹھاتا ہے، ادھر مالتی کو مادھو کا خیال آتا ہے جس سے وہ محبت

کرتی ہے۔ اسکی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوتے ہیں :-

"اے مادھو! اے میرے جان و دل کے مالک! کیا مرنے کے بعد بھی میں تیری یاد اپنے دل میں رکھ سکتی ہوں کہتے ہیں کہ جن کو عشق اپنے آغوش شفقت میں لے لیتا ہے وہ کبھی نہیں مرتے۔"

مالتی ابھی یہ کہہ رہی تھی کہ مادھو شیر سا جھپٹ کے قربان گاہ تک پہونچا۔ پہلے پوجاری میں اور اُس میں کچھ زبانی ردوبدل ہوئی، پھر دونوں آپس میں گتھ گئے اور مار دھاڑ ہونے لگی۔ اس طرح مالتی کی جان بچی۔

بتاؤ کہ مادھو نے کس کے لئے جرأت دکھائی اور کس کے واسطے لڑا؟ کیا اپنے لیئے؟ تم کہو گے کہ "ہاں اپنے لیئے لڑا" مگر کیا اُس کی جرأت کی محرک صرف ذاتی غرض تھی؟ نہیں بلکہ اس نے محض ایک مبتلائے مصیبت انسان کے بچانے کے لئے جرأت سے کام لیا تھا۔ کیونکہ اُسکے کان میں فریاد کی ایک آواز آئی تھی۔ جسے وہ نہیں جانتا تھا کہ کس کی آواز ہے۔ مگر اُسی آواز کو سُنکر اُسکا بہادر دل گرمایا تھا علاوہ بریں اگر تم غور کرو گے تو بہت سے ایسے واقعات تم کو یاد آجائیں گے جنمیں اسیطرح کی جرأتیں دکھاتے ہوئے تم نے لوگونکو دیکھا ہوگا۔ تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ کوئی مرد یا عورت یا لڑکا کسی دوسرے انسان کو مبتلائے مصیبت دیکھکر اُسکی مدد کو پہونچا ہے۔ تم نے اخباروں اور تاریخوں میں بھی اسی طرح کے بہادرانہ واقعات کی مثالیں پڑھی ہونگی۔ ایسے کارناموں کو "سنہرے" کارنامے کہتے ہیں۔

تم سنتے ہو گے کہ آگ بجھانے والے (فیرمین) کس طرح لوگوں کو جلتے ہوئے
گھروں سے نکالتے ہیں۔ کان کن کس طرح معادن کی سرنگوں میں اُتر کے اپنے
ساتھیوں کو پانی کی طغیانی، آگ یا زہریلی گاسوں سے بچاتے ہیں۔ تم یہ بھی سنتے
ہوگے کہ بعض بہادر کس طرح جرأت کو کام میں لاکے زلزلے سے دہلے ہوئے مکانات
میں گھس پیٹھ کر گرتی ہوئی دیواروں اور چھتوں کے خطرے کو خاطر میں نہ لاکے
بے کس غریبوں کو اٹھا لاتے ہیں جو بغیر اُن کی امداد کے وہیں دب کر مر جاتے تم نے
اُن بہادر شہریوں کا بھی ذکر سنا ہوگا جو اپنے شہر اور اپنا بائی وطن کے لیئے
دشمن کا مقابلہ کرتے، بھوک پیاس کے صدمے سہتے۔ زخم اُٹھاتے اور جانیں
گنواتے ہیں۔ غرضکہ:-

(۱) ایک وہ جرأت ہے جو اپنی ذات کے لئے ہو۔

(۲) اور دوسری وہ ہے جو اپنے ہم جنسوں اور اپنے ہم وطنوں کے لئے ہو۔

میں تم سے ایک بہادر کا قصہ بیان کرتا ہوں جس کا نام دو بھیشن تھا۔
اس جوانمرد نے ایک خطرے کا مقابلہ کیا مگر یہ خطرہ جان کے خطرے سے بھی بڑھ
کر تھا اسنے بادشاہ کے قہر و غضب کی پرواہ نہ کرکے اُسے نصیحت کی جو دوسروں سے ناممکن تھا۔
راون لنکا کا راکس راجہ تھا جس کے دس سر تھے۔ یہ سری رام جی کی استری
سیتا کو اُسکے شوہر کے غیاب میں اٹھا لے گیا اور لنکا (سیلون) لے جا کے اپنے
محل میں رکھا۔ یہ محل اور باغ جس میں رانی سیتا رکھی گئی تھی نہایت عالیشان اور پُر فزا تھے

لیکن پھر بھی سیتا کو اپنے شوہر کی جدائی اور اُسکے خیال میں آرام اور خوشی نصیب نہ تھی۔
فتحمند رام کو بندروں کے راجہ ہنومان کی زبانی معلوم ہوا کہ سیتا کو راون نے لے
جاکے فلاں مقام پر قید کیا ہے۔ وہ اپنے سعادت مند بھائی لچھمن کو ہمراہ لیکر ایک
بہت بڑی فوج کے ساتھ اپنی پیاری رانی کی رہائی کے لئے روانہ ہوئے۔
راون کو رام کی آمد کی اطلاع ملی اور اُس کا دل خوف سے تھرانے لگا۔
راون کو نصیحت کرنے والے دو طرح کے تھے۔ چنانچہ مصاحبوں اور درباریکے
ایک خوشامدی گروہ نے اُس سے یہ تقریر کی کہ :-
"کوئی اندیشہ کی بات نہیں ہے، مہاراج فکرمند نہ ہوں! حضور نے دیوتاؤں اور
راکسوں کو زیر کیا ہے۔ رام دراس تے سا تھیوں اور بندروں کی فوج پر فتح پانا کتنی بڑی بات ہے"
جب یہ خوشامدی مشیر چاپلوسی کی باتیں کر کے جا چکے تو راون کا بھائی وبھیشن دربار
میں حاضر ہوا۔ پہلے حسب دستور دونوں گھٹنے ٹیک کے آداب بجالایا پھر اُٹھ کے
راج گدی کے داہنے اپنی معمولی جگہ پر آکے بیٹھا۔ اور راون سے مخاطب ہوکے کہنے لگا
"بھائی صاحب! اگر آپ عیش و عشرت کے ساتھ بسر کرنے اور خوشنما جزیرہ
لنکا کی حکومت کو باقی رکھنے کے آرزو مند ہیں تو سیتا کو رہا کر دیجئے۔ اس لئے کہ وہ دوسرے
کی جورو ہے۔ رام کے پاس جائیے اور اُس سے معذرت چاہئے۔ اسکو قبول معذرت
میں تامل نہ ہوگا۔ دیکھئے غرور اور خود داری کو چھوڑ دیجئے!!"
ایک عقلمند شخص جسکا نام ملیاون تھا اِس تقریر کو سُن کر خوش ہوا اور راجہ سے

خطاب کر کے بولا:-

"اپنے بھائی کی گفتگو گوش دل سے سنیئے اور اس پر عمل کیجئے کیونکہ جو اسنے کہا ہے سچ کہا ہے"

راجہ نے جواب دیا:- "تم دونوں بدطینت ہو اس لئے تم ہمارے دشمن کی طرفداری کرتے ہو"

یہ کہا اور اُسکے دس سروں کی آنکھیں غصہ سے اسطرح چمکنے لگیں کہ ملیاوان ڈر کے دربار سے بھاگ گیا۔ مگر وبھی شن جو فطرتاً بہادر تھا بیٹھا رہا اور اُسنے کہا:

"مہاراج! ہر انسان کے دماغ میں عقل اور بے عقلی دونوں ہیں۔ اگر عقل نے اُس کا ساتھ دیا تو اُسکی زندگی لطف کے ساتھ بسر ہوتی ہے، لیکن اگر بے عقلی اُسکی رہنما ہوئی تو پھر زندگی بے لطف ہے۔ بھائی صاحب مجھے اندیشہ ہے کہ بے عقلی نے آپ کے دماغ میں گھر کیا ہے۔ اور آپ اُن لوگوں کی باتوں پر کان دیتے ہیں جو آپکو اچھی نصیحت نہیں کرتے۔ یہ لوگ آپکے سچے دوست نہیں ہیں"

یہ کہہ کے وبھی شن نے راون کے قدم پکڑ لیے مگر راون نے جھٹکا کر کہا:-

"بدذات! تو بھی ہمارا دشمن ہے۔ بیہودہ باتیں مت کر اگر تجھے ایسی ہی باتیں کرنا ہیں تو جوگیوں سے جا کے کر نہ کہ ایسے شخص سے جو ہر دشمن پر جس سے وہ لڑتا ہی فتح پاتا ہے" یہ کہہ کے اُس نے وبھی شن کے ایک ٹھوکر رسید کی۔ وہ بیچارہ وہاں سے دل گرفتہ اٹھا اور اپنے لائق بھائی کے گھر کو خیرباد کہہ کے اُس کے دیس سے نکل گیا

چونکہ وبھی شن کی فطرت میں جرأت تھی اُسنے راون سے کھلے لفظوں میں جو صحیح تھا کہہ دیا - اور جب اُس دس سروں والے نے اُس کی بات نہ مانی تو وہاں کا قیام مناسب نہ سمجھا -

یہ جسمانی جرأت تھی کہ وہ زدوکوب کی برداشت کرنے پر آمادہ ہوا نیز یہ روحانی جرأت بھی تھی اس لیئے کہ اُسنے ایسے الفاظ کہنے کی ہمت کی جو دوسرے درباری نہیں کہہ سکتے تھے - حالانکہ وہ جسمانی جرأت کے اعتبار سے کسی طرح وبھی شن سے کم نہ تھے - اس روحانی یا دلی جرأت کو ہم اخلاقی جرأت کہتے ہیں -

یہی جرأت حضرت موسیٰ میں تھی جو یہود کے پیغمبر تھے اور جنہوں نے مصر کے دفرعون سے کہا تھا کہ تمام یہودیوں کی غلامی سے آزاد کر دے -

یہی جرأت حضرت محمد پیغمبر اسلام میں تھی جنھوں نے اپنے مذہبی خیالات کو جاہل عربوں کے سامنے آزادی کے ساتھ بیان کر کے ان کی ہدایت کی اور ہرچند آپ کو قتل کی دہمکیاں دی گئیں مگر آپ تبلیغ امر حق سے باز نہ رہے -

یہی جرأت مہاتما بدھ میں تھی جنھوں نے اہل ہند کو سعادت کی ایک نئی راہ دکھائی اور اُن خبیث ارواحوں سے خایف نہ ہوئے جو شجر مقدس کے نیچے آپ کی مزاحم ہوئی تھیں -

یہی جرأت حضرت عیسیٰ میں تھی جنھوں نے لوگوں کو حکم دیا کہ ایک دوسرے سے محبت کرو اور حاکم یروشلم کی دہمکیوں سے نہ ڈرے جو آپکو وعظ و تلقین کرنے

سے منع کرتا تھا. ورنہ اُن رومیوں کا خوف کیا جنھوں نے آپکو صلیب پر چڑھا دیا

بالغرض جرأت کی تین قسمیں ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔ ایک وہ جرأت جو اپنی ذات کے لیئے ہو۔ دوسری وہ جرأت جو اپنے ہمسائے کی مدد کرنے اور اپنے شہر وطن کی اعانت کے لئے ہو۔ تیسری جرأت اخلاقی جو غلط کار اور بدکردار کا مقابلہ کرتی ہے اور جس کی وجہ سے آدمی ایسی باتیں کرتا ہے جن کو وہ صحیح اور حق سمجھتا ہے (یعنی وہ جرأت جو حق گوئی پر آمادہ کرتی ہے)

سبق تیسرا

جرأت (۲)

ایک بار راجہ ملوٹرہ کے پہاڑی ملک پر کسی غنیم نے چڑھائی کی اور اُس کو راج بھرتی کرنے کی ضرورت پڑی۔ بہت سے آدمی آ کے نئی رجمنٹ میں داخل ہوئے اور ہر ایک کو ایک ایک عمدہ تلوار دے کر مسلح کیا گیا۔

راجہ نے فوج کو حرکت (مارچ) کا حکم دیا۔ حکم کے ساتھ فوج نے حرکت کی اور ان نئے سپاہیوں نے بشدومد شپاشپ تلواریں میانوں سے کھینچ لیں۔

راجہ نے پوچھا کہ یہ کیا حرکت تھی؟ سپاہیوں نے جواب دیا حضور ہم چاہتے ہیں کہ پہلے ہی سے دشمن کے مقابلہ کو تیار رہو جائیں"

راجہ۔ دو بزدل۔ نامردو! تم میرے کام کے نہیں ہو اپنے اپنے گھر کی راہ لو"

دیکھو راجہ نے ان سپاہیوں کی تلواریں میان سے کھینچنے اور شور ہنگامہ کرنے پر مطلق خیال نہ کیا - وہ جانتا تھا کہ سچی جرأت کے لئے تلواروں کی چمک، نیزوں کی لچک اور فولاد کی کھڑکھڑاہٹ کی حاجت نہیں ہے۔

ذیل میں جو قصہ برکینسلز نامی جہاز کا لکھا جاتا ہے اُس سے تم کو معلوم ہوگا کہ اہل جہاز نے کس خاموشی سے کام کیا - اور پھر بھی ایک ہولناک بحری خطرے کے درمیان اُنھوں نے کیسی بہادری اور جرأت دکھائی۔

سنہ ١٩١٠ء کے ماہ مارچ کی آخری تاریخوں میں اسکاٹ لینڈ کا ایک جہاز آسٹریلیا سے کچھ مسافروں کو لیکر راس امید جارہا تھا - اُس وقت آسمان پر کہیں بادل کی چھینٹ بھی نہ تھی - اور سمندر کا نیلگوں پانی بالکل ساکن تھا جب جہاز آسٹریلیا کے مغربی ساحل سے چھ میل دور ہوگیا اُسوقت ایک مخفی چٹان سے ٹکرا گئی پہلے تو کچھ شور وغل ہوا کیونکہ لوگ ادھر سے اُدھر یہ دیکھنے کیلئے دوڑ رہے تھے کہ واقعہ کیا ہے اور ہر طرف سے سیٹیاں بجائی جارہی تھیں - مگر یہ شور خوف اور گھبراہٹ کی بنا پر نہ تھا - تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک آواز اس سرے سے اُس سرے تک گونج گئی کہ -

"کشتیوں میں سوار ہوجاؤ"

کچھ لوگوں نے محافظ جان پیٹیاں کمروں سے باندھ لیں کہ اُن کی مدد سے تیر سکیں - اسی حالت میں ایک اندھا اور اُسکا ملازم تختہ جہاز پر سے گذر رہے تھے

ہر شخص اُن کو راستہ دے دیتا تھا کہ پہلے یہ نکل جائیں۔ اندھا سعذور اور ضعیف تھا اور اس کا مستحق تھا کہ جو صحیح اور توانا تھے وہ اُس کا لحاظ کریں۔

آدھے گھنٹے میں سب مسافر و ملاح کشتیوں میں چلے گئے اور جہاز غرق ہونے لگا۔ کشتیاں ساحل کی طرف چلیں اس حالت میں ایک عورت نے گانا شروع کیا اتنے میں ایک پُرشور موج نے کشتی کو ٹکر دی عورت ذرا کی ذرا خاموش ہو گئی مگر فوراً ہی پھر اُس کی آواز اونچی ہوئی اور یہ بول سُنائی دیئے:-

وہ ساحل کے جانب بڑھے چلو ہاں بڑھے چلو ملاحو،
منجدھار سے کشتی پار کرو ہاں بڑھے چلو ملاحو،

اس کی ہمّت بڑھانے والی آواز کو سُن کر ملاحوں میں ایک تازہ روح پھونک گئی اور وہ زیادہ ستعدی سے کشتیوں کو کھینے لگے۔

اس ساحل پر روشنی کا ایک مینار تھا اور محافظان مینار نے جہاز کو ٹوٹتے اور غرق ہوتے دیکھا تھا۔ اس لیئے اُنھوں نے مینار پر روشنی کر دی تھی جب کشتیاں لنگرگاہ پر پہونچیں مرد پانی میں کود پڑے اور ہاتھوں ہاتھ اُس خاتون کو گود میں اُٹھا کے خشکی پر اس طرح پہونچا دیا کہ اُسکی نعلین کو بھی پانی مس نہ کر سکا۔

کپتان کی کشتی سب سے آخر میں آئی۔ دو تین روز تک یہ مصیبت زدے روشنی کے مینار اور دوسرے مکانوں میں جو اِن کے لئے خالی کر دیئے گئے تھے پناہ گزین رہے۔ چار سو پچاس آدمی اس جہاز پر تھے جو سب کے سب بچ گئے اور ایک بھی غرق نہ ہوا

اطمینان سے ملی ہوئی جرأت نے جس کو حزم کہتے ہیں اُنکی جانیں بچائیں۔
اب ہم تم سے اور ایسی مثالیں حزم کی بیان کرتے ہیں جس سے دنیا میں بڑے بڑے
کام ہوئے ہیں اور پھر نہ اُن کے لئے جنگ و جدال کرنی پڑی اور نہ ہتھیاروں سے کام لیا گیا
پانچ سو نفوس کی آبادی کا ایک گاؤں تھا اور اُسکے نیچے بہت بڑا دریا بہتا تھا
اس وقت تک اُس گاؤں کے باشندوں نے مہاتما بدھ کے اقوال نہیں سُنے تھے
اسلیے مہاتما نے وہاں چل کر اُن کو طریق سعادت کی طرف رہنمائی کرنیکی جی میں
ٹھان لی۔ بدھ مہاتما وہاں گئے اور ایک گھنے درخت کی چھاؤں میں جسکی شاخیں
ندی کے کنارے پر پھیلی ہوئی تھیں استھان جمایا اُدھر دیہاتی ندی کے مقابل والے
کنارے پر آتے جاتے اور بدھ مہاتما بلند آواز سے اُنکو محبت اور خلوص کا پیغام دیتے
جس کو ندی کے پانی کی موجیں اپنی سریلی آوازمیں ادھر سے اُدھر پہونچاتیں۔
دیہاتی مہاتما کی نصیحت قبول کرنے پر آمدہ نہ ہوئے۔ اور آن پر اعتقاد نہ لائے
لیکن اُنھیں میں سے ایک شخص کے دل میں نور یقین نے جلوہ گری کی اور اُسکو خیال
پیدا ہوا کہ یہ شخص جو کچھ کہتا ہے اُس کو تفصیل سے سُننا چاہئے۔ ندی پر نہ کوئی پل تھا
اور نہ وہاں ناؤ ملتی تھی مگر اُسکا عقیدہ مضبوط تھا اور جیسا کہ قدیم قصہ میں ہے
وہ اُس گہرے پانی کی سطح سے خراماں خراماں گذر گیا۔
مہاتما کے قریب آن کر سلام کیا اور ان کے اقوال نہایت توجہ اور دل دہی سے
سُنے۔ غالباً یہ شخص پیر کے گیا ہوگا جس کو قصہ میں اسطرح بیان کیا ہے کہ چل کر گیا

بہر حال اُس میں اس قدر جرأت تھی کہ اس نے ایسی راہ اختیار کی جو اُسکی اصلاح حال کا موجب ہوئی - اب اسکو دیکھکر دوسرے دیہاتیوں کو بھی خیال ہوا - انہوں نے بھی بدھ مہاتما کے مواعظ سُننے اور اُن کے دلوں میں بھی شریفانہ خیالات پیدا ہوگئے

مذکورۂ بالا مثال میں دریا کو پیر کر پار اُترنے اور حق کی باتیں سُننے میں جرأت دکھائی گئی ہے - لیکن نیکیوں کی راہ پر قایم رہنے کے لئے بھی ویسی ہی جرأت درکار ہے جیسی نیکیوں کی راہ میں قدم رکھنے کے لئے -

ذیل کی مثال پر غور کرو جو مرغی اور مرغی کے بچوں سے دی گئی ہے -

مہاتما بدھ نے اپنے چیلوں کو حکم دیا کہ پہلے نیک عمل کرو اور پھر اُسپر بھروسا تمھارا تخم عمل نیک پھل لائے گا - اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جب مرغی آٹھ یا دس یا بارہ انڈے دے چکتی اور اُن کو سے کے بیٹھتی ہے پھر اُس کو اِس کی فکر نہیں ہوتی کہ ارے میرے ننھے ننھے بچے اِس قابل ہو نگے کہ انڈے کا سخت چھلکا اپنی چونچ یا پنجے سے توڑ کر روشنی میں نکلیں - اسی طرح اگر تم سیدھے راستے پر چلتے رہے تو ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور تم ضرور کبھی نہ کبھی روشنی میں جا نکلو گے -

سچی جرأت ہے کہ سیدھے یعنی حق کے راستے پر چلو - طوفان اور تاریکی سے نہ گھبراؤ تکلیف کی برداشت کرو، اور راہ کی کڑی جھیلو، یہاں تک کہ روشنی میں جا نکلو -

مسلمانوں کی ایک اخلاقی کتاب میں ابو سعید شاعر کا ایک واقعہ لکھا ہے -

ابو سعید کے دوستوں نے سُنا کہ وہ بخار میں مبتلا ہے اور اُسکی عیادت کو گئے -

دروازے پہ پہونچے تو شاعر زادے نے ان کا خیر مقدم کیا اور اُنکو دیکھکر مسرت ظاہر کی اس لیئے کہ مریض اب کسی قدر اچھا ہو چلا تھا۔ جب یہ لوگ مکان کے اندر داخل ہوئے اور اُس کمرے میں پہونچے جہاں ابو سعید کا بستر علالت تھا تو یہ دیکھکر بہت خوش ہوئے کہ اُنکے دوست کی صحت اب اچھی ہے۔ اور معمولی خوش مزاجی کے ساتھ بات چیت کر سکتا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد ابو سعید بھی سو گیا اور اُسکے مہمان بھی سو گئے۔
جب عصر کے وقت مہمان اور میزبان خواب سے بیدار ہوئے۔ ابو سعید نے اپنے فرزند کو حکم دیا کہ نہانے دھونے کا سامان کرے، اور کمرے میں خوشبو سلگا دے۔
ابو سعید کے دوستوں نے کہا "یہ عجیب دن تھا جو تاریکی سے شروع ہوا اور روشنی میں ختم ہوتا ہے"

ابو سعید نے نماز سے فارغ ہو کے اپنی تصنیف کے چند شعر سنائے جنکا مضمون یہ تھا
"مصیبت میں ناامید نہ ہو۔ وہ وقت بھی آئے گا کہ تمھارا غم خوشی سے بدل جائے"
"اگر اس گھڑی سموم گرم چل رہی ہے، تو کچھ دیر بعد نسیم و صبا بھی چلے گی"
"تیرہ و تار ابر اٹھتا ہے اور بغیر برسے ہوئے نکل جاتا ہے"
"لکڑی سُلگ سُلگ کے کجلا جاتی ہے مگر شعلہ بلند نہیں ہوتا"

"اسی طرح اسباب غم پیدا ہوتے ہیں اور رفع ہو جاتے ہیں"
"انسان کو چاہیئے کہ اگر مصیبت اپنی ڈراونی صورت دکھلائے تو استقلال سے کام لے

"وہ زمانہ عجیب و غریب انقلاب دکھاتا رہتا ہے"
"ہمکو افضال الٰہی پر بھروسا اور اُسکی رحمت پر تکیہ کرنا چاہئے"
غرضکہ جو لوگ اپنے دوست کی علالت سُن کر محزون آئے تھے وہ اُس کو تندرست پاکر اور اُسکی نظم کا حظ اُٹھا کر شاد و مسرور واپس گئے۔

دوستوں نے شاعر کی مدد کی اور شاعر کی نظم نے اُسکے دوستوں کی ایک انسان دوسرے انسان کو اسی طرح جرأت و ہمت دلا سکتا ہے جسطرح ہم ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن کرتے ہیں۔ انسان ہو یا حیوان سب کو ہمت دلانے والی باتوں سے مدد پہونچتی ہے۔

قدیم زمانے میں جبکہ برہمادت بنارس کا راجہ تھا ایک شخص نے راجہ کے دشمنوں کے مقابلے کے لیے ایک ہاتھی کو تربیت کیا۔ دشمن سے لڑائی ٹھنی راجہ اُسی ہاتھی پر سوار ہو کر مقابلے کو نکلا۔ جب شہر پناہ کے پھاٹک پر پہونچے فصیل کے سپاہیوں نے کھولتی ہوئی کیچڑ اور پتھر برسانے شروع کیے۔ اور راجہ کا ہاتھی اس موذی بارش کی تاب نہ لاکے پسپا ہو گیا اُس وقت اس کا کرنے والا جھپٹ کر آیا اور پکار کے بولا:-

"اے ہاتھی۔ تو بہادر ہے۔ بہادروں کا سا کام کر۔ پھاٹک کو ڈھا دے"
اُس قوی ہیکل حیوان کی جرأت ان باتوں کو سُن کے جوش میں آئی، اور اُس نے ٹکر دے کے پھاٹک توڑ دیا اور راجہ کو فتح دلائی

پس اے بہادر لڑکو اور بہادر لڑکیو تم بھی اس قصہ سے سبق حاصل کرو۔ اتم خود جری بنو اور اپنے دوستوں کو جرأت دلاؤ۔

سبق چوتھا

زندہ دلی یا خوش مزاجی

ایک شام کو میں نے انگلستان کے ایک شہر میں سات آٹھ گاڑیوں کو سڑک سے گذرتے ہوئے دیکھا۔ ہر گاڑی میں کچھ چھوٹے چھوٹے لڑکے سوار تھے اور ایک ایک دو دو جوان آدمی اُن حفاظت و نگرانی کے لیئے ہر گاڑی کے ہمراہ تھے۔ انگلستان میں مطلع اکثر ابر آلود رہتا ہے اور سال میں بارش کا کوئی وقت معین نہیں ہے۔ جس دن کا یہ واقعہ ہے ان لڑکوں کو مرغزاروں میں کھیلنے کیلئے لے گئے تھے۔ سارے دن بوندا باندی ہوتی رہی تھی اور اب یہ جماعت پانی برسنے میں واپس آرہی تھی۔ اس حالت میں بھی لڑکے گاتے جاتے اور جو راہ گیر اُنکی برابر سے گذرتے اُنکی طرف سے ہاتھ ہلاتے تھے۔ باوجودیکہ وہ رندھا ہوا تھا مگر اُن کے دل رنجیدہ ہوئے نہ تھے، اور اُنھوں نے اپنی خوش مزاجی کو باقی رکھا تھا اگر کسی لڑکے پر افسردگی کا اثر ہوتا تو دوسروں کا گانا اُسکو دور کر دیتا۔ راستہ چلنے والوں کو بھی اُن لڑکوں کے گیت سُن کر اور اُن کی خوش فعلیاں دیکھکر مسرت ہوتی تھی۔

عمر خراسان کا شہزادہ تھا، اور نہایت عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا تھا جب وہ کسی مہم پر جاتا تو اُسکے باورچی خانہ کا اثاثہ تین سَو اونٹوں پر بار ہوتا خلیفہ اسمٰعیل نے اُسکو گرفتار کیا۔ مصیبت میں بھی انسان کو بھوک پیاس لگتی ہے عمر نے اپنے

بکاول سے جو اس وقت حاضر تھا کہا کوئی چیز کھانے کو لاؤ۔

بکاول کے پاس تھوڑا سا گوشت موجود تھا۔ اسنے اُسے ایک ہانڈی میں اُبلنے کو چڑھا دیا اور خود مصالحہ لینے چلا گیا۔ اتفاقاً اُدھر سے ایک کتّا آیا اور گوشت کی بو پا کے ہانڈی میں مُنہ ڈال دیا۔ بھاپ جو لگی فوراً اُسر اٹھا لیا۔ مگر ہانڈی کا مُنھ چھوٹا تھا، وہ بھی ساتھ ہی لٹکی ہوئی چلی آئی اور کتّا اسی طرح ہانڈی کا ٹوپ پہنے ہوئے بھاگا۔

عمرؓ کتّے کی یہ ہمّت کذائی دیکھکر بے اختیار ہنس پڑا۔ جو افسر اسوقت عمر کا محافظ تھا اُس نے پوچھا کہ "آپ ایسے وقت میں ہنستے کیوں ہیں جبکہ آپکو رنجیدہ ہونا چاہیئے"

عمرؓ نے کتّے کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ "مجھے یہ سوچ کر ہنسی آئی کہ آج ہی صبح تک میرا باورچی خانہ کا اثاثہ تین سو اونٹوں پر چلتا تھا اور اس وقت اُسکو ایک کتّا لئے جاتا ہے"

عمرؓ کی خوش دلی اُسی کے لیئے تھی۔ دوسروں کے خوش کرنے کیلئے نہ تھی تاہم اُسکی شگفتہ مزاجی قابل تعریف ہے اور اس قصّے سے ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ جب عمرؓ نے ایسی مصیبت کی حالت میں زندہ دلی کو نہ چھوڑا تو ہمارے لئے اس سے چھوٹی مصیبتوں میں اپنا جی خوش رکھنا ناممکن نہیں ہے۔

ایران میں ایک عورت شہد بیچا کرتی تھی عورت نہایت خوش مزاج تھی اسوجہ سے اُسکی دکان پر گاہکوں کا مجمع رہتا تھا۔ شیخ سعدیؒ جنھوں نے اس قصّے کو نظم کیا ہے لکھتے ہیں کہ اگر یہ عورت بجائے شہد کے زہر بیچتی جب بھی لوگ اُسکی دکان پر خریداری

کے لیئے جمع ہوتے۔

ایک بدمزاج آدمی نے دیکھا کہ اس عورت کو اس بامزہ چیز کی تجارت میں بڑا نفع ہے اُس نے بھی شہد بیچنے کی ٹھانی۔ شاعر کہتا ہے کہ اس نے اپنی دوکان تو شہد سے بھری مگر اپنی تلخ مزاجی کو دور نہ کر سکا جو مشتری اُس کی دوکان پر آتا اس سے ترش برتاؤ کرتا۔ آخر لوگوں نے اُس کی دوکان پر آنا چھوڑ دیا۔ چنانچہ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں "اُس کے شہد پر مکھی بھی نہ بیٹھتی تھی۔ کڑوے آدمی کا شہد بھی کڑوا ہوتا ہے" ممکن ہے کہ یہ عورت محض گاہکوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلیے مسکرادیتی ہو مگر میں یہ کہونگا کہ اس کا مسکرانا خلقی خوش طبعی کی وجہ سے تھا۔ ہم دنیا میں فقط لین دین کرنے کے واسطے نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کے رفیق بننے کے لئے۔

اس عورت کے مشتری اسکو صرف ایک دوکاندار ہی نہیں بلکہ کچھ اور بھی سمجھتے ہوں گے یعنی کہ وہ باغ خلقت کا ایک شگفتہ پھول ہے"

دوسرے قصے میں جو میں تم سے بیان کروں گا خوش مزاجی اور مسکراہٹ کو مشتریوں کے خوش کرنے اور منفعت حاصل کرنے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے ہنس مکھ آدمی کی خوش دلی اندر سے خود بخود اس طرح ابلتی ہے جیسے چشمے سے پانی۔

یہ نقل جو بیان کی جاتی ہے ایک نہایت مشہور آدمی یعنی سری رام جی کے بارے میں ہے رام نے اُس دس سر اور بیس ہاتھوں والے راکس کو جسکا نام راون تھا قتل کیا مگر یہ مقابلہ بڑا سخت تھا رام کی طرف سے بے شمار ریچھ اور بندر لڑائی میں مارے گئے تھے

اور راکسوں کے گشتوں کے پشتے لگے تھے راون کا قتل کچھ آسان نہ تھا۔ رام جی بار بار اُس کے دس سر اور بیس ہاتھوں کو قطع کرتے تھے اور پھر وہ جیسے کے ویسے ہو جاتے تھے۔ حالت یہ تھی کہ گویا آسمان سے ہاتھوں اور سروں کی بارش ہو رہی تھی۔ آخر کار یہ عظیم الشان جنگ ختم ہوئی اور راون مارا گیا بندر اور ریچھ جو لڑائی میں قتل ہوئے تھے پھر زندہ کئے گئے۔ اور اب اُن کا ٹڈی دل فتح مند رام کے احکام کی تعمیل کرنے کے لئے صفیں باندھ مہیا ہے۔

رام جی جو ابھی ابھی ایسی شاندار فتح حاصل کر چکے ہیں نہایت سکون اور اطمینان سے کھڑے ہیں۔ اور اُن کی نگاہ اپنے وفادار دوستوں پر پڑ رہی ہے۔

وبھی شن جو اب بجائے راون کے لنکا کا راجہ ہے ایک گاڑی چمکتے ہوئے جواہرات اور خلعت فاتح جنگ آزماؤں کے لئے لایا ہے اور رام جی وبھی شن سے فرماتے ہیں "دیکھو! میرے عزیز دوست وبھی شن تم ہوا میں بلند ہو کے اپنے تحفوں کو نیچے پھینکو"

وبھی شن رام جی کے حکم کی تعمیل کرتا اور اپنے رتھ کو ہوا میں بلند کر کے جواہرات اور کپڑے نیچے پھینکتا ہے اور ریچھ اور بندر اُن نادر تحفوں کو لوٹنے کے لئے ایک پر ایک ٹوٹے پڑتے ہیں۔

یہ سماں دیکھکر رام جی ہنستے ہیں۔ اِن کی چہیتی رانی سیتا جی ہنستی ہیں اور اور اُن کا عزیز بھائی لچھمن ہنستا ہے۔

عزفلکہ بڑے دل والے اپنے دل کی بڑائی کی وجہ سے خوش رہتے ہیں -
رام جی کے قصے سے تم کو روشن ہوا ہوگا کہ ایک بہت بڑا ناسور بہادر ہنس رہا ہے
دیکھو رام جی نے جنگ میں ثابت کر دیا کہ اُن کا دل بڑا ہے اور ہنسی کے وقت بھی
اپنے دل کی بڑائی کا ثبوت دیا- فارسی میں بہادری کو 'پر دلی' کہتے ہیں اور ہندی میں
'جیوٹ' 'عزفلکہ بہادری' کے معنی ہیں دل کی بڑائی' اسی طرح خوش مزاجی بھی دل
کی بڑائی پر منحصر ہے -اس لیئے کہ خوش مزاجی بھی ایک طرح کی جرأت ہے:-
جو لڑکے گاڑیوں میں بیٹھے اس وقت گاتے جاتے تھے جبکہ سرد ہوا دلوں کو سرد
کر رہی تھی وہ بہادر تھے -شہد بیچنے والی عورت بہادر تھی کیونکہ یقیناً بعض اوقات
اُس کی بکری نہ ہوتی ہوگی -بعض اُس کے مشتری اُس کے ساتھ ترش روئی سے پیش
آتے ہونگے -اور جب وہ انسان تھی تو ضرور ہے کہ اُس کو خانگی مکروہات اور رنج دہ
واقعات بھی پیش آتے ہونگے -اور رام جی کو تو سارا ہندوستان بہادر مانے ہوے ہے-
رّوما کی فوج کا سپہ سالار وارو خود تو نہیں ہنسا مگر اُسنے سارے شہر کو خوش
کر دیا- لکھتے ہیں کہ ایک لڑائی میں رومیوں کی فوج کو حبشیوں نے شکست دی پچاس
ہزار رومی مارا گیں- مگر شکست خوردہ فوج کے سپہ سالار کے تیوروں پر بل نہ آیا -جب
وہ شہر کو واپس ہوا اس وقت بھی اُس کا دل ویسا ہی قوی اور حرکات بہادرانہ تھے
اہل شہر دروازہ شہر پناہ پر استقبال کو آئے اور اُس نے اُن سے مخاطب ہو کے کہا-
"رومیو ابھی بہت کچھ امید باقی ہے اور میں اس لئے واپس ہوا ہوں کہ روما کے

بچانے کے لئے جو ممکن تدبیر ہو وہ کروں"

حالانکہ رومی اپنے ہزار ہا آدمیوں کے قتل ہو جانے سے رنجیدہ تھے مگر وارو کی تقریر اور طرز عمل نے اُن کے دلوں کو امید بندھائی یا یوں کہو کہ اُن کو خوش کر دیا۔ اور شہر کے بزرگوں نے کہا کہ وارو ہم تمھاری اس بات کی تعریف کریں گے کہ تم روما کی طرف سے مایوس نہیں ہو۔

خوش مزاج ماں اپنے بچے کو خوش رکھتی ہے۔
خوش مزاج تیمار دار کی صحبت میں بیمار جلد شفا پاتا ہے۔
خوش مزاج کاربادی یا مزدور اپنے ساتھی کام کرنے والوں کو خوش رکھتا اور اُن کے دلوں پر تھکن نہیں آنے دیتا ہے۔

خوش مزاج مسافر اپنے ہم سفر کی منزل ہلکی کر دیتا ہے۔

خوش مزاج شہری اپنے ہم وطنوں کے دلوں میں امید کو تازہ رکھتا ہے۔
اے خوش مزاج لڑکو اور خوش مزاج لڑکیو تم بتاؤ کہ تم کیا کر سکتے ہو؟

سبق پانچواں

اپنے اوپر آپ بھروسا کرنا

"قدیم زمانے میں ملک عرب کا ایک سردار حاتم طائی سخاوت میں بہت مشہور تھا۔ اُس کے کسی دوست نے ایک روز اُس سے پوچھا کہ تم نے کسی ایسے شخص کا نام

بھی سُنا ہے جو تم سے زیادہ باہمت ہو۔

حاتم نے جواب دیا کہ ہاں،

دوست نے پوچھا کہ 'وہ کون ہے'؟

حاتم نے کہا کہ "ایک روز میں نے چالیس اونٹ ذبح کئے تھے اور سرداران عرب کے ساتھ جنگل میں جا رہا تھا۔ وہاں میں نے ایک لکڑی کاٹنے والے کو دیکھا کہ ایک گٹھا سوکھی لکڑیوں کا کاٹ کے بیچنے کے لئے لے جا رہا ہے۔ کیونکہ یہی اسکی معاش کا ذریعہ تھا میں نے اُس سے پوچھا کہ تم حاتم طائی کی دعوت میں کیوں نہیں شریک ہوئے؟ اُس نے جواب دیا کہ جو لوگ اپنی روزی آپ پیدا کرتے ہیں اُن کو حاتم طائی کی دعوت میں شریک ہونے کی ضرورت نہیں ہے"۔ [1]

دیکھو! حاتم نے اپنے دوست سے کہا کہ لکڑ ہارا اُس سے باہمت تھا اس کہنے سے اُسکا یہ منشا تھا کہ دوسروں کی سخاوت پر بھروسا کرنیسے یہ بہتر ہے کہ آدمی محنت سے اپنی روزی پیدا کرے۔ یہ صحیح ہے کہ دوست دوستونکو تحفے دیتے اور سخی غریبوں اور حاجتمندوں کی مدد کرتے ہیں، لیکن جو آدمی تندرست اور محنتی ہے وہ کبھی اس کو گوارا نہ کرے گا کہ اپنے ہاتھوں سے کام لینے کے عوض ان کو دوسروں کے سامنے پھیلائے۔ یہی بات ہے جس کے لئے ہم کو لکڑ ہارے کی ہمت پر آفریں کہنا چاہئے۔ [2]

---

[1] ماخوذ از گلستان سعدی ترجمۂ ایسٹ وِک

[2] اس ریمارک میں وہ مذہبی فقرا شامل نہیں ہیں جو عبادت الٰہی کی غرض سے تارک الدنیا ہو گئے ہیں اور لوگ اپنی سعادت سمجھ کر ان کی خدمت کرتے ہیں۔

مگر اس لکڑہارے سے زیادہ تعریف کے قابل گشتاسپ کی محنت ہے جس کا قصہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے اسکو سنو اور پھر غور کرو کہ یہ ایرانی شہزادہ اُس لکڑہارے اور حاتم طائی دونوں سے زیادہ باہمت تھا یا نہیں؟

کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں ایران کا ایک شہزادہ گشتاسپ نامی تھا۔ اس کا باپ اسکے ساتھ ایسی بدسلوکی کرتا تھا جو تاج و تخت کے وارث کے ساتھ نہ کرنی چاہئیے تھی۔ اس وجہ سے وہ بہت رنجیدہ اور پریشان رہتا تھا یہانتک کہ وہ اپنا دیس چھوڑ کر مغرب کی طرف پردیس میں نکل گیا۔

وہ جب یکہ و تنہا بھوکا پیاسا اُس نئے ملک میں پہونچا تو اُسے خیال ہوا کہ محنت کر کے اپنی روزی پیدا کرے۔ اس خیال سے وہ وہاں کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ مجھے لکھنا پڑھنا خوب آتا ہے اگر کوئی جگہ منشی گیری کی دی جائے تو میں اس خدمت کو بخوبی انجام دے سکوں گا۔

اس کو جواب ملا کہ ابھی کوئی جگہ منشی گیری کی خالی نہیں ہے تھوڑے دن توقف کرو مگر وہ ایسا بھوکا تھا کہ توقف نہیں کر سکتا تھا اس لئے اُس نے آگے کی راہ اختیار کی۔ راستہ میں اونٹوں کا ایک قافلہ ملا۔ شہزادے نے ان سے نوکری کی درخواست کی۔ ان کو آدمی کی ضرورت نہ تھی مگر انھوں نے اُسکو کھانا کھلوا دیا۔ یہاں سے آگے چل کے گشتاسپ ایک لہار کی دوکان پر پہونچا اور اُس سے کام دینے کی خواہش کی۔ لہار نے اُس کی درخواست منظور کی اور اُسکو گھن دیکر لوہا کوٹنے کیلئے کہا۔

گشتاسپ بہت طاقتور تھا پہلے ہی ہاتھ میں جب اُسنے لوہا نہائی پر رکھ کے ہتوڑا مارا تو نہائی ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ لہار اس حرکت پر بہت ناراض ہوا اور اُسنے نکال دیا۔ گشتاسپ نہایت پریشانی اور فاقہ کشی کی حالت میں پھرتا تھا کہ اتفاق سے ایک کسان سے اُسکی ملاقات ہوئی کسان کو اُس کی حالت زار پر رحم آیا اور اُسکو اپنے گھر میں پناہ دی۔ اور اُسکے کھانے پینے کا متکفل ہوا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کسان گو غریب آدمی تھا مگر گشتاسپ کی طرح وہ بھی ایران کا شہزادہ اور فریدوں کی نسل تھا۔

ایک دن یہ خبر معلوم ہوئی کہ سلطان روم کی بیٹی جوان اور شادی کے قابل ہو گئی ہے اور سلطان نے تمام شہزادوں کی دعوت کی ہے۔ اس خبر کو سُنکر گشتاسپ بھی گیا اور جلسہ دعوت میں شریک ہوا شہزادی نے اسکو دیکھا اُسپر عاشق ہو گئی اور اظہار محبت کے طور پر پھولوں کا ایک گلدستہ عنایت کیا۔ بادشاہ کو منظور نہ تھا کہ گشتاسپ جیسے مفلس آدمی کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کرے اور دستور کے خلاف وہ اپنی لڑکی کو منع بھی نہ کر سکا لیکن دولہا دُلہن دونوں کو اپنے محل سے نکال دیا اور وہ جنگل میں ایک جھونپڑی ڈال کے رہنے لگے۔

گشتاسپ بہت بڑا شکاری تھا۔ ہر روز ندی کو پار کر جاتا اور ایک آدھ ہرن یا گورخر مار کے نصف کشتی بان کو کشتی کا کرایہ دیتا اور نصف گھر لاتا۔

ایک دن کشتی بان ایک مرزبان کو لایا۔ مرزبان نے کہا کہ حضور میں بادشاہ کی

دوسری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ پہلے اُس بھیڑیے کو ماروں جس نے بادشاہ کے ملک کو ویران کر رکھا ہے۔ اور یہ کام میری طاقت سے باہر ہے۔

گُشتاسپ نے کہا کہ "میں یہ کام تمھاری طرف سے انجام دونگا" اور وہ جنگل کی طرف بھیڑیے کی تلاش میں روانہ ہوا اور اُس خوفناک درندے کو پہلے تیر سے زخمی کیا پھر شمشیر آب دار سے اُسکے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ بادشاہ نے آکر بھیڑیے کی نعش کو ملاحظہ کیا اور خوش ہو کر اپنی بیٹی کی شادی مرزبان کے ساتھ کر دی۔

چند روز کے بعد کشتی بان ایک اور شخص کو لایا جس کا نام رہیرون تھا اُس نے کہا کہ میں بادشاہ کی تیسری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں مگر پہلے مجھے ایک اژدھے کو قتل کرنا پڑیگا۔ گُشتاسپ نے اُس سے بھی اقرار کیا کہ میں تمھاری طرف سے اژدھے کو قتل کروں گا۔

اس کام کے لیئے اُس نے یہ تدبیر نکالی کہ بہت سی چھُریاں لیکر اُنکا ایک گیند سا بنایا اور اُسکو ایک برچھی میں باندھ کر اژدھے کے مُنہ میں دے دیا اژدہا طیش میں آکر اُس گیند کو چبانے لگا یہانتک کہ اُسکا مُنہ کٹ گیا اور وہ بے دم ہو کے گر گیا اُس وقت شہزادے نے تلوار سے اُس ظالم کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

تم کو یہ سُن کر تعجب نہ کرنا چاہیئے کہ جو شہزادہ ایسا بہادر تھا وہ آخر کار ایک دن اپنے باپ کی جگہ ایران کے تخت پر بیٹھا۔ اسی بادشاہ یعنی گُشتاسپ کے زمانے میں پارسیوں کے

پیغمبر زردہشت نے جن کا دوسرا نام زوراسٹر بھی ہے ظہور کیا اور ایرانیوں کو
ہرمزد کے دین کی تعلیم دی جو روشنی، آفتاب، آگ اور پاکیزگی اور انصاف کا خدا ہے۔
مگر دیکھو کہ اس پر بھی گشتاسپ کو وہ رتبہ اور درجہ فوراً نہیں ملا جس
کا وہ اس دنیا میں مستحق تھا۔ اُس نے کیسی کیسی کوشش کی مگر وہ ناکام رہا۔
یہاں تک کہ لہار کی ممنت باتیں بھی سُنیں، مگر جب وقت آیا تو اُس کا حق اُسے پہونچا
اور اپنے ہم جنسوں کا ہمدرد اور دُنیا کا عقلمند حکمراں ہوا ؎

میں نے ابھی کہا ہے کہ اپنے ہم جنسوں کا ہمدرد تھا۔ اب تم دیکھو کہ وہ اس
لکڑہارے سے بہتر تھا یا نہیں جو صرف اپنی مدد آپ کرنے کے لئے محنت کرتا
تھا۔ (جیسا کہ قصہ سے معلوم ہوتا ہے) اب پھر حاتم کو دیکھو تو یہ ماننا پڑیگا کہ
وہ سخاوت میں بے مثل تھا مگر جو کچھ لوگوں کو دیتا تھا وہ اس بے شمار دولت میں
سے دیتا تھا جو اُس کے پاس جمع تھی برخلاف اُس کے گشتاسپ نے اپنے ہاتھوں کو
دوسروں کی مدد میں لگایا۔ یہی نہیں بلکہ غیروں کے واسطے اپنی جان خطرے میں ڈالی۔
ہندو گرو شنکر کے نام کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ گرو مذکور بہت مَن چلا اور باہمت
آدمی تھا اور اُس کی ہمت صرف اسی میں صرف نہ ہوتی تھی کہ ملک کے مختلف حصوں
میں پھر کر اپنے خیالات اور عقاید کی تعلیم دے۔ بلکہ روزانہ زندگی کے فرایض اور
خطروں میں بھی وہ ایسا مستقل مزاج تھا۔ جب اُسکی عزیز ماں کا انتقال ہوا اُس وقت

؎ ماخوذ از شاہنامہ فردوسی فرزند۔

برادری والوں نے اُس اُٹھانے میں شرکت نہ کی مگر شنکر ایسا آدمی نہ تھا کہ وہ بیٹھ کر افسوس کرتا رہتا۔ اُس نے سارے مراسم خود انجام دیئے خود میت کو اُٹھا کر لے گیا اور خود لکڑیاں جمع کر کے چتا تیار کی اور اپنے ہاتھ سے اُس چاہنے والی ماں کی نعش کو آگ دی جو تمام عمر اُس کی تکلیف کی کبھی روادار نہ ہوئی تھی۔[1]

مذکورہ بالا قصوں سے ہم کو دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:۔

(۱) وہ آدمی جو اپنی مدد آپ کرتا ہے یعنی جو اپنے آپ پر بھروسا کرتا ہے۔

(۲) وہ آدمی جو اپنی مدد آپ کرنے کے علاوہ اپنے پڑوسی کی مدد کرتا ہے یا کوئی مقدس فرض انجام دیتا ہے۔ اس لئے ہم کو چاہیئے کہ عزت کریں:۔

۱۔ اُس شخص کی جو لکڑی کاٹتا ہے یا لوہا کوٹتا ہے یا ہل چلاتا ہے یا دوکان لگاتا ہے یا کوئی کل ایجاد کرتا ہے یا کوئی نئی زمین دریافت کرتا ہے یا کوئی اور کام اس لیئے کرتا ہے کہ اپنے لئے زندگی کی ضروریات حاصل کرے اور ساتھ ہی اپنی کمائی میں سے اپنے جورو بچوں اور عزیزوں اور پڑوسیوں کی مدد کرے۔

۲۔ اُس طالب علم کی جو مدرسہ میں اپنے سبق پر توجہ کرتا ہے جو اُستاد نے اُس کے لئے مقرر کیا ہے اور علم کی سیڑھیوں پر چڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اپنی محنت کے صلہ میں نام پاتا ہے اور نیز اُس طالب علم کی جو اپنے سے کم فہم ہم سبق کی مدد کرنے کو تیار رہتا ہے۔

[1] ماخوذ از سوانح عمری سری شنکر اچاریہ۔ مولفہ سی ایم کرشنا سوامی ایر۔

(۳) اُن کاروباریوں کی جو مشترکہ انجمنوں میں کسی مویشی خانہ یا کارخانہ کفش سازی یا چھاپہ خانہ قایم کرنے میں ایک دوسرے کی شرکت کرتے ہیں۔ یا ایسی عمارت بنانے میں باہم شریک ہوتے ہیں جو ان کی مشترکہ ملک ہو اور جس میں وہ آرام سے رہ سکیں چنانچہ آیرلینڈ میں دیہات کے لوگ مشترکہ مویشی خانے قائم کرتے ہیں۔ اپنا روپیہ مشترکہ سرمایہ میں جمع کرتے ہیں۔ باہم مل کر مرغی خانہ اور مسکہ وغیرہ بنانے کے دوسرے نفع بخشنے والے کارخانے قائم کرتے ہیں۔

(۴) ہندوستان آیرلینڈ اور دوسرے ممالک جیسے اٹلی جرمنی بلجیم اور آسٹریا کے اہل دیہہ کی عزت کرنا چاہیئے جو اپنا پس انداز روپیہ مشترکہ بنکوں میں جمع کرتے ہیں اور ان بنکوں سے کاشتکاروں اور دوسرے حاجتمندوں کو انکی ضرورت پر قرض دیتے ہیں۔ ایسے قرضہ امداد باہمی کے بنک ہندوستان میں پہلے پہل ۱۹۰۵ء میں کھولے گئے تھے اُس وقت رعایا نے ان بنکوں میں پانچ ہزار روپیہ جمع کیا تھا رفتہ رفتہ اس کا چرچہ ہوتا گیا اور ۱۹۰۸ء میں دیہات والوں کا تقریباً دو ہزار بنکوں میں ۱۴ لاکھ روپیہ اس غرض سے جمع ہو چکا تھا کہ اُس سے کھیتوں کے لیے تخم اور کلیں خریدی جائیں اور آئندہ کی دوسری ضروریات میں کام آئے۔

(۵) ہم کو اُن کام کرنے والوں کی عزت کرنی چاہیئے جو تجارتی انجمنوں میں باہمی شرکت کریں تاکہ اُن کی جماعت کو قوت حاصل ہو اور اگر وہ اپنے نوکر رکھنے والوں سے زیادہ مزدوری اور عمدہ سلوک کے خواہاں ہوں تو اُنکی آواز اُس ایک آدمی

کی آواز نہ سمجھی جائے جو محض اپنے فائدے کے لئے؛ ستدعا کرتا ہے بلکہ بہت سے آدمیوں کی آواز سمجھی جائے جو ہر شخص کے یکساں فائدے کے لئے بلند کی گئی ہو۔ ایسی تجارتی انجمنیں اُن ممبروں کی بھی مدد کرتی ہیں جو بیمار یا بیکار ہوں اس طریقے سے لوگ اپنی مدد آپ کرنے کے علاوہ ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں۔ اسی طریقے کا نام "اپنی مدد آپ کرنا" ہے جس کو انگریزی میں سلف ہلپ کہتے ہیں۔ ہم قصّوں میں پڑھتے ہیں کہ ایسی پریاں یا جن ہیں جو چراغ کے رگڑنے سے یا کسی اسم کے پڑھنے سے آتے اور لوگوں کو ہوا میں اڑا لے جاتے ہیں۔ یا ایک لمحہ میں عالیشان محل تیار کرتے یا زمین سے پیدل اور سوار فوج نکال کھڑی کر دیتے ہیں۔ مگر اُن کا جادو ایسا چلتا ہوا نہیں ہے جیسا اپنی مدد آپ کرنے کا جادو ہے۔ جس سے زمین جوتی جاتی ہے جنگلی حیوان مانوس ہو جاتے ہیں زبردست درخت کاٹ ڈالے جاتے ہیں۔ تالاب بنائے جاتے ہیں ریلیں تیار ہوتی ہیں غلہ روئی اور نیل پیدا ہوتا ہے ہوائی جہاز بنتے ہیں۔ دیہاتوں اور شہروں پہ حکومت کی جاتی ہے اور ضرورت کے وقت ہمسائے کو مدد پہونچتی ہے۔

سبق چھٹا

خودداری

ہم شیر کے منھ میں لگام نہیں دیتے۔ شیر دوسرے حیوانوں۔ مردوں۔ عورتوں

اور بچوں کو ہلاک کرتا ہے مگر ہم شیر گھوڑے کی طرح کیوں نہیں پالتے۔ اور اُس کے منھ میں لگام دیکر اُس سے سواری کیوں نہیں لیتے۔؟
اس لئے کہ یہ بات ہمارے امکان میں نہیں ہے۔ اور شیر میں ایک ایسی وحشی روح ہے جو ہم کو اُسکے پالنے سے روکتی ہے۔
ہم گھوڑے کو لگام دیتے ہیں وہ اوّل اوّل ہماری اطاعت نہیں کرتا بلکہ آخر کار ہمارا مطیع ہو جاتا ہے۔ بلکہ ہم سے محبت کرنے لگتا ہے۔ غرضکہ انسان کی مرضی پر چلنے لگتا ہے اور اپنے منھ میں لگام لینے اور پیٹھ پر زین کسوانے کا عادی ہو جاتا ہے۔
اب امام حسینؑ کے اس واقعہ پر غور کرو۔ تم کو معلوم ہوگا کہ اُنکی طبیعت میں کوئی بات ایسی تھی جس کے لئے لگام کی ضرورت تھی یعنی ان کی طبیعت میں وہ مادّہ ضرور تھا جو انسان اور وحشی حیوان میں مشترک ہے۔ مگر ان میں وہ مادّہ زیادہ تھا جو اس حیوانی مادّہ پر غالب آتا ہے۔
امام حسینؑ حضرت محمدؐ کے نواسے تھے۔ ان کا مکان عالیشان تھا ان کو دولت کی کمی نہ تھی۔ ان کو رنج دینا ایک بڑے آدمی کو رنج دینا تھا۔ اور بڑے آدمی کا غصہ بہت برا ہوتا ہے
ایک روز کا واقعہ ہے کہ ایک غلام گرم پانی کا ایک برتن لیئے ہوئے آپ کے پاس سے گذرا جبکہ آپ کھانا کھانے میں معروف تھے اتفاق سے وہ کھولتا ہوا پانی نواسۂ رسول پر گر پڑا اور آپ کے منھ سے بے ساختہ ایک آواز نکلی جس سے ظاہر تھا کہ آپ کو بہت تکلیف پہونچی۔ غلام بڑا حاضر جواب تھا فوراً قدموں پر گر پڑا اور قرآن

کی ایک آیت کو یاد کرنے لگا جس کا مطلب یہ ہے:۔

"جنت اُن لوگوں کے لئے ہے جو اپنے غصّے کو روکتے ہیں اور لوگوں کی خطا معاف کر دیتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"

اُس نے پہلے یہ جملہ کہا "جنت اُن لوگوں کے لئے ہے جو اپنے غصّے کو روکتے ہیں" امام حسینؑ نے فرمایا کہ میں تجھ سے ناراض نہیں ہوں۔ غلام نے پھر دوسرا جملہ پڑھا۔ "اور اُن کے لیئے جو لوگوں کی خطا معاف کر دیتے ہیں" آپ نے فرمایا کہ میں نے تجھے معاف کیا۔ غلام نے تیسرا جملہ پھر پڑھا "اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے" اب امام حسینؑ کا غصّہ بالکل رفع ہو چکا تھا آپ غلام کی خطا معاف کر چکے تھے۔ اور آپ کا دل بالکل نرم ہو رہا تھا۔ آپ نے ارشاد کیا کہ اب تو میرا غلام نہیں ہے تو آزاد ہے اور اُس کو چار سو دینار عطا کیئے۔[۱]

تم یہ تسلیم کرو گے کہ حسینؑ کی طبیعت میں کوئی شریفانہ جوہر تھا جس کے قابو میں رکھنے کی ضرورت تھی۔ پس اگر تمھارے والدین یا اُستاد تم کو یہ ہدایت کریں کہ تم اپنی طبیعت کو روکو، تو اس سے اُن کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمھاری تیزی اور جودت کو روکیں بلکہ اُن کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح عمدہ گھوڑے کو لگام کر قابو میں رکھتے ہیں اُسی طرح تم اپنی طبیعت کو قابو میں رکھو۔

رہنے کے لئے کون سی جگہ اچھی ہوگی؟ صاف ستھرا محل یا میلا کچیلا جھونپڑا

[۱] اخلاق اسلام مصنفہ سید امیر علی۔

بلاشبہ محل بہتر ہوگا۔ لیکن اگر محل نہ ہو تو کم سے کم صاف ستھرا مکان جو عمدہ جگہ پر واقع ہو ہر حالت میں کثیف جھونپڑے سے جو بُرے محلّے میں واقع ہو بہتر ہوگا۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت محمدؐ معراج کو گئے اور جنت کی سیر کی تو وہاں آپ کو چند عالی شان محل نظر آئے جو بلندی پر واقع تھے اور جہاں سے تمام جنت کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ آپ نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ مکان کس کے ہیں؟ جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ یہ اُن لوگوں کے لئے ہیں جو اپنے غصّے کو روکتے اور قصورواروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں[۱]

بلاشبہ اُس نیک طینت آدمی کا دل خود ایک عالی شان محل ہے جو لوگوں کے قصور معاف کر دیتا ہے۔ برخلاف جس کی طینت میں غیظ و غضب کا مادّہ ہو اُس کے دل کی مثال ایسے کثیف جھونپڑے کی ہے جو بُرے محلے میں واقع ہو جہاں ہر وقت غل اور ہنگامہ رہے۔ ہمارا دل ایک مکان کے مانند ہے جس کو ہم چاہیں خوشنما اور آرام دہ بنا سکتے ہیں جہاں سے خوش گوار اور سریلی آوازیں آئیں۔ یا اُس کو کثیف تکلیف دِہ اور پُرشور بنائیں۔ جہاں کی آوازیں کانوں کو ناگوار ہوں۔

ایک شخص کا قصّہ ہے کہ اُس نے غصّے میں آکر اپنی کمان کو توڑ ڈالا۔ اُس کا نام کسائی تھا۔ یہ شخص صحرائی عرب تھا اور بڑا مشہور شاعر گزرا ہے۔ اُسکے پاس ایک نہایت عمدہ کمان تھی۔ ایک رات کو وہ گورخر کے شکار کو گیا۔ اُس نے گورخر کے پھونکنے کی آہٹ سُن کر اس زور سے تیر مارا کہ اُسکا تیر ایک گورخر کو توڑ کے نکل گیا اور پہاڑ میں جا کر لگا۔

---

[۱] المستطرف ترجمہ فرنچ مترجمہ ریٹ۔

کسائی کو خیال ہوا کہ اُس کا نشانہ خطا کر گیا۔ اُس نے اسی طرح پانچ تیر لگائے اور ہر دفعہ یہی واقعہ پیش آیا۔ پانچویں دفعہ غصّے میں آکر کسائی نے کمان کو توڑ ڈالا جب صبح ہوئی اُس وقت اُس نے پانچ گورخر مرے دیکھے ؎۱

اگر کسائی کی طبیعت میں تھوڑا سا تحمل ہوتا اور وہ صبح ہونے کا انتظار کرتا تو وہ اپنے مزاج کو بھی برہم نہ ہونے دیتا اور اپنی کمان کا نقصان بھی نہ کرتا۔

مگر ہم لکڑی کے گھوڑوں کو لگام نہیں دیتے اور دیتے بھی ہیں تو وہ لگام کھلونا ہوتی ہے۔ محض لگام دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ گھوڑے میں کام کرنے کا مادہ ہے اور اس مادہ کو راہ پر لگایا گیا ہے آدمی میں بہادری اور منہ چلے پن کا ہونا اچھی بات ہے۔ جس آدمی میں یہ بات نہ ہو وہ کسی کام کا نہیں یہ تو غلاموں کی خاصیت ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ تحمل کرتے ہیں اور انہیں بالکل ولولہ نہیں ہوتا۔ شاید ایسا تحمل ابو عثمان میں ضرورت سے زیادہ تھا۔

کہتے ہیں کہ ابو عثمان کے ایک دوست نے اُسکو دعوت دی۔ جب وہ اُس کے مکان پر گیا تو میزبان نے گھر سے نکل کر معافی مانگی اور کہا کہ میں آپ کو اس وقت گھر میں نہیں لے جا سکتا۔ آپ کو زحمت ہوئی۔ ابو عثمان یہ سُن کر واپس آیا۔ ابھی وہ اپنے مکان کے اندر داخل نہ ہوا تھا کہ اُس کے دوست نے پیچھے سے آکر آواز دی اور پھر بلا کر لے گیا۔ دوبارہ بھی اُسنے وہی حرکت کی کہ اپنے دروازے پر پہونچ کر معافی مانگی

؎۱ مقامات حریری مترجمہ فی چینری

چار مرتبہ اُس نے ایسا ہی کیا اور چاروں مرتبہ ابو عثمان بغیر کچھ کہے سُنے واپس آیا اور تیور پر ذرا بل نہ آنے دیا۔ اُس وقت اُس کے دوست نے کہا کہ ابو عثمان میں نے یہ حرکت فقط تمھارا تحمل آزمانے کے لئے کی تھی۔ ابو عثمان نے جواب دیا کہ میں نے کوئی قابل تعریف کام نہیں کیا یہ تحمل ایسا ہے کہ جو کُتّے میں بھی ہوتا ہے۔ اُس کو جب بلاؤ دوڑ کر آتا ہے اور جب دھتکارو چلا جاتا ہے۔

ابو عثمان کا یہ کہنا سچ ہے مگر وہ انسان تھا کُتّا نہ تھا، اور ہر چند ہم اُس کے اُس تحمل کی تعریف کریں گے لیکن یہ بھی کہیں گے کہ اُس نے جو اپنے دوست کو اتنی بار اپنے حلم سے فائدہ اُٹھانے دیا یہ عقلمندی نہیں کی [1]

قوموں میں بھی تحمل کا مادّہ ہوتا ہے اور قومیں بھی اپنے ولولوں کو دبا سکتی ہیں۔ بعض اوقات کسی قوم کو بھی غیظ آجاتا ہے مگر جس طرح ایک متنفس انسان کو اسکی ضرورت ہے کہ وہ اپنے غصّے کو روکے اُسی طرح ایک قوم کو بھی اس کی ضرورت ہے کہ وہ تحمل سے کام لے۔ مثلاً ۱۹۰۴ء میں جبکہ روس و جاپان میں لڑائی ہو رہی تھی روسی جنگی جہازوں کا ایک بیڑہ یورپ کے مغربی سمندر سے ساحل ایشیا کیطرف جا رہا تھا۔ اندھیری رات میں روسی جہاز سمندر میں ہر طرف چور فندیلوں سے روشنی ڈال رہے تھے اُس وقت اُن کو چند چھوٹی کشتیاں دکھائی دیں جنکو وہ سمجھے کہ جاپان کی تارپیڈو کشتیاں ہیں اور انھوں نے یقین کر لیا کہ وہ ہمارے جہازوں کو تارپیڈو مار کر غرق کر دینگی۔

---

[1] المسطرف۔ ترجمہ۔ جی۔ ریٹ

روسی امیرالبحر نے فوراً گولہ باری کا حکم دیدیا۔ مگر افسوس یہ کشتیاں بے ضرر ماہی گیروں کی تھیں جو اپنی اور اپنے گھر والوں کی روزی کی تلاش میں نکلے تھے دو ماہی گیر ہلاک ہوئے۔ کچھ زخمی ہوئے۔ چند گھنٹوں کے بعد یہ خبر انگلستان میں پہونچی مگر قوم نے اُس کو خاموشی کے ساتھ سُنا۔ اُن کو تعجب ضرور ہوا اُن کو ماہی گیروں کے مارے جانے کا افسوس بھی ہوا مگر وہ خاموش رہے اور روس کے ساتھ جنگ پر آمادہ نہ ہوئے اور روسی بیڑے کا تعاقب نہیں کیا۔ انھوں نے اپنی گرمائی ہوئی طبیعتوں کو روکا اور اپنے غصّے کو لگام دی۔

پیرس میں اس واقعہ پر غور کرنے کے لئے ایک کمیشن بیٹھا جس میں پانچ سنجیدہ آدمی جو پانچوں امیرالبحر تھے (ایک روسی۔ ایک انگریز۔ ایک فرانسیسی ایک آسٹروی اور ایک امریکن) شریک تھے۔ آخر کمیشن نے یہ فیصلہ کیا کہ روس کو پینسٹھ ہزار پونڈ زخمی اور مقتول ماہی گیروں کو تاوان دینا چاہیئے۔

اس قصّے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک قوم کی قوم نے کس طرح اپنے جذبات کو روکا اور غصّے پر غالب آئی۔

بیس برس کا ایک نوجوان برہماچاری تھا۔ یہ شخص بڑا ہوشیار تھا اور جانتا بھی تھا کہ میں ہوشیار ہوں۔ اور اُسے اس کا شوق تھا کہ جتنا ہوسکے ہنر حاصل کرے، تاکہ لوگ اُس کی لیاقت کی تعریف کریں۔ اس مقصد کے پورا کرنے کے لیئے اُس نے سفر اختیار کیا اور ملکوں ملکوں پھرا۔

ایک مقام پر اُس نے ایک شخص کو تیر بناتے ہوئے دیکھا اور اُس سے تیر بنانا سیکھا۔ ایک اور ملک میں پہونچا اور وہاں جہاز بنانا سیکھا۔ ایک اور ملک میں گیا اور وہاں مکان بنانا سیکھا۔ غرض کہ اسی طرح اُس نے سولہ ملکوں کا سفر کیا اور جب وہ اپنے وطن کو واپس ہوا تو لوگوں سے فخریہ پوچھا کہ کیا کوئی اور بھی ایسا ہوشیار ہے جیسا میں ہوں۔

مہاتما بدھ نے اُسے دیکھا اور اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ایک ایسا ہنر اس کو سکھائیں جو اُن سب ہنروں سے زیادہ شریف ہو جو اب تک اُس نے سیکھے تھے اس خیال سے مہاتما ایک بڈھے برہمن کا بھیس بنا کے اُس کے پاس گئے اور اُس سے بھیک کا سوال کیا اور دونوں میں یہ گفتگو ہوئی:۔

برہماچاری: "تم کون ہو؟"

مہاتما: "میں وہ انسان ہوں جو اپنے نفس پر قدرت رکھتا ہوں"

برہماچاری: "اس سے تمھارا کیا مطلب ہے؟"

مہاتما: "تیر بنانے والا تیر بناتا ہے۔ کشتی چلانے والا کشتی کو راہ پر لگاتا ہے۔ مکان بنانے والا مکان بنانے پر قدرت رکھتا ہے۔ مگر عقلمند آدمی اپنے نفس پر قادر ہوتا ہے"

برہماچاری: "وہ کیونکر؟"

مہاتما: "وہ اگر لوگ اسکی تعریف کرتے ہیں جب بھی وہ خوش رہتا ہے اور اگر برا کہتے ہیں جب بھی خوش رہتا ہے کیونکہ وہ اخلاق کے عمدہ اصولوں کا پابند ہوتا ہے اسلئے اُسکا نفس مطمئن رہتا ہے"

---

[1] ماخوذ از کتاب دھرما پادھا۔ مترجمہ بیل صاحب

سبق ساتواں

انتظام یا ترتیب

انتظام کرنا اور ترتیب کا پتہ لگانا انسانی کی بڑی کامیابی ہے۔ منجم اپنی آنکھوں کو آسمان کی طرف لگاتا ستاروں کا نقشہ تیار کرتا اور اُن کے الگ نام رکھتا ہے وہ آفتاب کے گرد پھرنے والے مثلاً زہرہ مشتری مریخ زحل وغیرہ ستاروں کی رفتار کا اندازہ لگاتا رہتا ہے۔ اور جب بے نور چاند آفتاب اور زمین کے درمیان پڑکے دنیا میں اندھیرا پھیلا دیتا ہے جس کو گہن کہتے ہیں اُس وقت وہ منجم انھیں ستاروں سے حساب لگا سکتا ہے۔ یہ منتظم یا باقاعدہ علم نجوم کہلاتا ہے۔

اب علم حساب کو دیکھو۔ اس میں انتظام کی روح ہے۔ ایک چھوٹے بچے کو اعداد کو ترتیب کے ساتھ گننے میں خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور جب وہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیاں، یا کنکریاں وغیرہ گننے لگتا ہے تو بہت جلد اُسکو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک پانچ۔ تین دس دس کہنا بے منے ہے اور اُس کو ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ وغیرہ گننے میں لطف آتا ہے۔ اسی طرح حساب کے سارے عمل میں ترتیب کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ چاہے یہ حساب مدرسے کے بچوں کے سوالات ہوں یا دفتر اور دوکان کے جمع خرچ وغیرہ کے حسابات ہوں۔

اگر ترتیب نہ ہو تو موسیقی کا کیا حشر ہو۔ موسیقی میں آٹھ وزن ہیں جن کو سُر کہتے ہیں

اور وہ یہ ہیں :۔ "ڈو۔ ری۔ می۔ فا۔ سول۔ لا۔ ٹی۔ ڈو"؟ ان آٹھ سروں پر تمام راگوں کی بنیاد ہے۔ چاہے آدمی کی آواز سے مرکب ہوں یا ساز ہوں۔ ان سروں کو ایک خاص طریقے سے ترتیب دیکر آواز میں راگ یا لحن پیدا کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر تم پیانو میں ڈو۔ ری۔ می۔ فا کو ملا کر بجاؤ تو اُس سے جو آواز پیدا ہوگی وہ کانوں کو بُری معلوم ہوگی۔ بجائے اس کے اگر تم "ڈو۔ می۔ سول۔ ڈو" ان پیانو سروں کو ملا کر بجاؤ تو اُس سے جو آواز پیدا ہوگی وہ بھلی معلوم ہوگی۔ اس آواز کو انگریزی میں 'کارڈ' کہتے ہیں جس کے معنی میل کھانے کے ہیں۔

فرض کرو کہ تم دو گھروں میں گئے۔ ایک میں تم نے دیکھا کہ وہاں جو سامان ہے وہ اِدھر اُدھر پھیلا پڑا ہے۔ اس طرح کہ جو چیز جہاں ہونی چاہئے وہاں نہیں ہے اور جو جہاں نہ ہونی چاہئے وہاں ہے۔ جو چیز ہے گرد و غبار میں اٹی ہے، تو تمھاری زبان سے یہی نکلے گا کہ کیسی بے ترتیبی اور بد انتظامی کا منظر ہے۔ ایسی حالت میں تم سامان کو بُرا نہ کہو گے بلکہ صاحب خانہ کو الزام دو گے کہ وہ بد سلیقہ اور بد انتظام ہے۔ دوسرے مکان میں جب تم دیکھو گے کہ جو چیز ہے وہ صاف ستھری اور اپنے ٹھکانے سے رکھی ہے اُس وقت تم یہی کہو گے کہ اس گھر کا مالک کیسا باسلیقہ اور خوش انتظام ہے۔ مدرسے میں ایک لڑکا اپنی کتابیں کاغذ نقشے اور وغیرہ صاف اور عمدہ حالت میں رکھتا ہے، دوسرا ان کو میلا کرتا ہے پھاڑ ڈالتا ہے اور بے جگہ رکھتا ہے۔

اگر ریل کا انتظام ٹھیک نہ ہو تو وہ کس طرح چل سکتی ہے۔ پورٹر۔ گارڈ۔ ڈرائیور

اسٹیشن ماسٹر۔ سقصدی اور دوسرے ملازموں کو اپنی نوکری پر حاضر رہنا چاہئے۔ اور
وقت پر حاضر رہنا چاہئے۔ اسٹیشنوں کی دیواروں پر تم ریل کے آنے جانے کے
اوقات کا تختہ دیکھتے ہو۔ یہ تختۂ اوقات ایسا عمدہ آئینہ ہے۔ جس میں ریل کے
تمام کاموں کا صحیح عکس نظر آتا ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک گاڑی
دس بجے صبح کے روانہ ہوتی ہے، دوسری دوپہر کو، ایک اور ۶ بجے ۴۵ منٹ
شام کو۔ اسی طرح ایک ۹ بجے ۱۵ منٹ صبح کو آتی ہے دوسری ایک بجے ۵۵ منٹ
دن کو اور تیسری آدھی رات کو وغیرہ وغیرہ۔
اگر اتفاقاً ڈرایور یا گارڈ یا کسی دوسرے ملازم ریلوے کی غفلت سے گاڑی
وقت پر۔ روانہ نہ ہو یا وقت پر نہ آئے تو تجارتی اور خانگی کاروبار میں خرابی پیدا ہو۔ دوستوں
کی ملاقات مقررہ وقت پر نہ ہو سکے۔ ڈاکٹر کو جو وقت مریض کے پاس پہونچنا چاہئے نہ
پہونچ سکے۔ غلّہ اور کپڑا ضرورت کے وقت پر شہروں اور قصبوں میں نہ جا سکے
اسی طرح بہت سے کام اس روز رُکے رہیں اور انتظام بگڑ جائے۔
اگر فوج میں انتظام نہ ہو تو اُس کا نتیجہ کیا ہو؟ فرض کرو کہ سپاہی کبھی افسر کا حکم
مانے اور کبھی نہ مانے۔ یا تھوڑے سپاہی حکم کی تعمیل کریں اور تھوڑے نہ کریں۔ کچھ
لوگ وردی پہنیں اور کچھ نہ پہنیں۔ بعضے بگل کی آواز پر اُٹھیں اور بعضے نہ اُٹھیں
جنرل ایک حکم دے اور اُسکے ماتحت کپتان کچھ اور حکم دیں۔ کیا تمھارے خیال میں
ایسی فوج قابل تعریف ہو سکتی ہے؟ کیا ایسی فوج اپنا کام پوری طرح انجام دے

سکتی ہے؟ کیا وہ بغاوت اور بد امنی کو فرد کر سکتی ہے؟ کیا ایسے سپاہی اپنی عزت آپ کر سکتے ہیں؟ کیا ان کو ایسے بھیڑ یا دھسان مجمع میں شریک ہونے کا فخر ہو سکتا ہے؟ کیا لڑائی کے وقت ایسی فوج نشان کو چھوڑ کر بھاگ نہ جائیگی؟

کسی ملک کی حکومت سے مراد ملک میں انتظام قائم رکھنے سے ہے شہنشاہ یا بادشاہ یا پریسیڈنٹ کا درجہ سب سے اوپر ہوتا ہے اور ارکان حکومت میں سب سے چھوٹا درجہ پولیس کے سپاہی کا ہے جو راستوں اور سڑکوں پر لوگوں کی طرز و روش کی نگرانی کرتا رہتا ہے۔ لیکن ہر شخص اپنا انتظامی فرض پورا کرتا ہے اور ایک شخص ایک با قاعدہ تابع قانون ملک کی عالیشان عمارت کے بنانے میں اپنا معزز فرض ادا کرتا ہے۔

گھڑی جو ہم کو وقت بتاتی ہے ترتیب اور باقاعدگی کا بہت اچھا نمونہ ہے اگر گھڑی اپنا کام ٹھیک انجام نہ دے تو محض بیکار ہے اور اُس سے کاروبار میں بجائے درستی کے خرابی پیدا ہو۔ گھڑی یا صحیح ہونا چاہئے یا ہونا ہی نہ چاہئے اس لئے غلط گھڑی ایسی ہی تکلیف دہ اور کام خراب کرنے والی ہے جیسے بدمست اور جھگڑالو آدمی۔ یہی حال دوسری کلوں کا بھی ہے۔ سینے کی کل۔ انجن۔ جہاز ہوائی جہاز۔ تار برقی کے آلات وغیرہ۔ کسی کل کو کام کرتے ہوئے دیکھو تو کیسا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ہر پہیا اور ہر پرزہ کس باقاعدگی سے اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اس کو دیکھکر ایسی ہی خوشی ہوتی ہے جیسے کھیت میں پیداوار کو پابندی سے زمین

کو شاداب ہوتے ہوئے یا پھٹے پھولے خانہ باغ کو دیکھکر۔

پہلے پہل ہم کو باقاعدگی سیکھنے میں کسی قدر تکلیف ہوتی ہے۔ تم جب حساب یا صرف و نحو یا موسیقی شروع کرتے ہو تو اُس کے قاعدے تم کو آسانی سے نہیں آجاتے اسی طرح کشتی چلانا۔ تیرنا۔ قواعد کرنا بھی تھوڑی سی محنت کے بعد آتا ہے۔ یہی حال کل باتوں کا ہے۔ لیکن چند دنوں کے بعد تم باقاعدگی کے عادی ہو جاتے ہو اور پھر تم کو قاعدے سے کام کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ بلکہ اگر کوئی کام بے قاعدہ ہو جاتا ہے تو ناگوار ہوتا ہے۔ جب تم نے پہلے اُنگلی پکڑ کر چلنا سیکھا اُس وقت تم بہت سی غلطیاں کرتے تھے۔ جس سے گر پڑتے چوٹ کھاتے اور روتے تھے مگر آج تم اچھی خاصی طرح چلتے اور دوڑتے ہو۔ اور اس میں تم کو مزہ آتا ہے۔ اس لئے کہ چلنا اور دوڑنا اعضا اور رگوں کی باقاعدہ ورزش کا عمدہ نمونہ ہے۔

فرض کرو کہ تم تانبے کے پتّر پر کسی انسان یا پرندے کی تصویر کھودنا چاہو ایک انگریز کاریگر یہ کرے گا کہ پہلے پتّر پر تصویر کا نشان ڈال دیگا اور پھر کسی اوزار سے اُس کو کھودے گا۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ بنارس کے ٹھٹھیرے ایسے ہوشیار ہیں کہ اُن کو تصویر کا خاکہ بنانے کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ جس کی تصویر کھینچنا چاہتے ہیں اُس کے خیالات اور جذبات وغیرہ کا نقش ایسا ان کے ذہن نشین ہے کہ وہ بغیر نشان ڈالے ہوئے یوں ہی کھودنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ پیتل کی تختی یا پیالی وغیرہ اپنے پیروں میں مضبوط دبا لیتے ہیں اور چھینی بائیں ہاتھ میں اور ہتوڑی داہنے

ہاتھ میں لے کر کھٹا کھٹ کھٹا کھٹ کھودنا شروع کر دیتے ہیں، اور راما سیتا اور کرشنا اور دوسرے دیوتاؤں یا بہادروں کی تصویریں جن کا ذکر ہندوستان کے قصوں میں سب تیار کر لیتے ہیں۔

باقاعدہ کام کا گُر کاریگر کے ہاتھ میں ہے۔ ممکن ہے کہ تم بھی کاریگر ہو جاؤ اور پیتل لکڑی یا چمڑے کا کام کرو۔ یا تم کو کھیتی کرنا یا اپنے گھر کا کام یا کسی دوکان یا دفتر کا انتظام کرنا پڑے۔ یا اپنے ماتحت ملازمین کی نگرانی کرنی ہو تو اُس وقت اگر تم میں باقاعدگی ہے تو تم اپنے فرض کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے سکو گے اور اس میں تم کو مسرت حاصل ہوگی۔

پابندی وقت کی ایک مزہ دار حکایت

عرب میں کسی خاتون کے پاس ایک خدمت گار تھا۔ ایک دن خاتون نے اُس کو حکم دیا کہ چولھا جلانے کو ہمسائے کے گھر سے آگ لے آ۔ نوکر گھر سے چلا تو اُس کو ایک قافلہ ملا جو مصر جا رہا تھا۔ وہ قافلہ والوں کے ساتھ ہو لیا اور مصر چلا گیا وہاں سے کامل ایک سال کے بعد واپس ہوا اور ہمسائے کے گھر جا کر آگ لی اور اپنی مالکہ کے گھر چلا اتفاق سے اُسکو ٹھوکر لگی اور جلتی ہوئی لکڑی ہاتھ سے گر کر بجھ گئی۔ اُس وقت اُس نے کہا "جلدی بھی کیا بُری چیز ہے"

سبق آٹھواں

تحمّل اور استقلال

فرض کرو کہ میں تم سے ایک بھاری وزن لے کر چپکے کھڑے رہنے کو کہوں، اور تم اُسے لے کر کھڑے رہو۔ یہ تحمّل ہے۔

یاد رکھو کہ تم کو وزن لے کر چلنا نہیں پڑتا ہے۔ تم سے صرف اسی قدر کہا گیا ہے کہ تم سر پر بوجھ لے کر چپ چاپ کھڑے رہو۔

متحمل آدمی کا قاعدہ ہے کہ اگر وہ کہیں جاتا ہو اور راستے میں مینھ پڑنے لگے تو آسرا دیکھ کر اُس وقت کھڑا رہیگا جب تک کہ پانی نکل نہ جائے۔ برخلاف اُس کے جو آدمی بے صبرا ہوگا وہ گھبرا ئے گا اور بے چین ہوگا۔

متحمل عورت اُس وقت تک خاموش رہیگی جب تک اُس کے خاوند کا غصہ ٹھنڈا نہ ہو جائے۔ اور جو غیر متحمل ہے وہ اُلٹ کر جواب دیگی اور اس طرح اپنے خاوند کے غصّے کو اور بھڑکا ئے گی جس کا نتیجہ بہتر نہ ہوگا۔

ایوبؑ جو ملک شام کے ایک سردار اور پیغمبر تھے اور جن کو کئی سو برس کا زمانہ گذرا ہے اُن کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ سات ہزار بکریاں۔ تین ہزار اونٹ۔ پانچ سو جوڑی بیل پانچ سو خچر اور بہت سے غلام تھے + خلاصہ یہ کہ وہ بہت بڑے آدمی تھے۔

ایک دن ایک قاصد دوڑتا ہوا آیا اور نہایت بیتابی سے کہنے لگا کہ "یا حضرت آپ کے مویشیوں پر بہت بڑی بلا نازل ہوئی ہے۔ بیل کھیتوں میں ہل چلا رہے تھے اور خچر وہیں چر رہے تھے کہ صحرائی لٹیروں کا ایک گروہ آیا اور آپکے غلاموں کو قتل کرکے سارے مویشیوں کو ہانک لے گیا۔ اکیلا میں بچ کر آپ کے پاس یہ خبر لایا ہوں۔

تھوڑی دیر میں دوسرا آدمی دوڑتا ہوا آیا کہ یا حضرت بڑا غضب ہوا بجلی کے گرنے سے آپ کی کل بکریاں اور چرواہے ہلاک ہو گئے۔ میں اکیلا بچ کر یہاں آیا ہوں۔

تیسرا قاصد دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ خالدیہ کے ڈاکو آپ کے سب اونٹ پکڑ لے گئے اور سوا میرے تمام شتربانوں کو ہلاک کر ڈالا۔

چوتھا شخص روتا ہوا آیا اور عرض کرنے لگا کہ آپ کے ساتوں بیٹے اور تینوں بیٹیاں فلاں مکان میں مصروف طعام تھے کہ ایک زبردست آندھی آئی جس سے مکان گر پڑا اور بجز میرے جتنے لوگ اندر تھے سب دب کر ہلاک ہو گئے۔

یہ افسوسناک خبریں سُن کر ایوبؑ اُٹھے، اپنا گریبان چاک کیا جو سوگواروں کی علامت ہے اور زمین پر سجدے میں گر کر خدا کی درگاہ میں اس طرح عرض کرنے لگے:-

"میں دنیا میں برہنہ اور خالی ہاتھ آیا تھا اور اُسی طرح یہاں سے جاؤں گا جو کچھ میرے پاس تھا وہ تیرا ہی دیا ہوا تھا اور تو نے ہی مجھ سے واپس لے لیا۔ سوا تیرے نام کے کسی چیز کو دُنیا میں بقا نہیں ہے۔"

اس کے بعد ایوبؑ پر اور مصیبتیں نازل ہوئیں۔ وہ ایک سخت مرض میں مبتلا

ہوئے جس سے اُن کے تمام بدنمیں کیڑے پیدا ہو گئے تھے - اور وہ شب و روز
فرشِ خاک پر لوٹا کرتے تھے جب کبھی اُن کی بیوی اُن سے کہیں کہ تم خدا سے دعا کیوں
نہیں کرتے تو وہ جواب میں فرماتے کہ جب خدا نے ہم کو آرام دیا تھا تو اب اُس کی دی
ہوئی تکلیف بھی اٹھانی چاہیئے۔ یہ قصّہ ہے ایوبؑ کے صبر یا تحمّل کا - اور اس طرح اُس
خدا پرست بزرگ نے مصیبتوں کو خاموشی کے ساتھ برداشت کیا[1]
پنجاب میں کسی شاعر نے اسی مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے -

شعر سدا نہ باغیں بلبل بولے سدا نہ باغ بہاراں

سدا نہ راج خوشی دے ہوندے سدا مجلس یاراں

یعنی نہ باغ میں ہمیشہ بلبل بولتی ہے اور نہ باغ میں ہمیشہ بہار رہتی ہے نہ بادشاہ
ہمیشہ عیش و عشرت کے ساتھ سلطنت کرتا ہے اور نہ دوستوں کا مجمع ہمیشہ
قائم رہتا ہے مطلب یہ ہے کہ جب ہمارے امکان میں نہیں ہے کہ ہمیشہ خوشی
کی زندگی بسر کریں تو ہم کو رنج اور تکلیف کے لئے بھی تیار رہنا چاہیئے جو کبھی نہ کبھی
ضرور پیش آنیوالی ہے -

مگر اب فرض کرو کہ میں تم سے صرف خاموشی کے ساتھ کوئی بوجھ اٹھا کر کھڑے
رہنے کے لیئے نہ کہوں بلکہ حکم دوں کہ تم اس کو لیکر کچھ دور جاؤ - فرض کرو کہ تم اس کے
لے جانے میں تھک جاؤ لیکن پھر بھی میری خوشی کے لیئے بوجھ لیئے چلے جاؤ - یہ بھی
تحمّل ہے مگر اس کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور یہ ایسا تحمّل ہے جو تم کو منزل کی طرف

[1] کتاب ایوب انجیل مقدس

لے جاتا ہے۔ اسی کو استقلال کہتے ہیں۔

رومیوں کی ابتدا میں ایک چھوٹی سی قوم تھی۔ اور پہلے انھوں نے ایک چھوٹا سا شہر آباد کیا تھا۔ یہ مثل مشہور ہے کہ "شہر روم ایک دن میں آباد نہیں ہوا تھا" اس کا مطلب یہ ہے کہ رومیوں نے اپنی طاقت کو رفتہ رفتہ بڑھایا اور ایک ملک کے بعد دوسرا ملک فتح کرتے گئے یہاں تک کہ بحر متوسط کے ارد گرد جس قدر ملک ہیں اُن سب کے مالک ہو گئے۔ یہ اُن کا استقلال تھا۔

اطالیہ کا مشہور جہاز راں کولمبس اسپین سے نکل کر نامعلوم سمندروں کو طے کرتا ہوا مغرب کی طرف چلا گیا حالانکہ اُس کے ہمراہیوں نے اس اجنبی سمندر میں جہاز لیجانے پر بہت کچھ غل ہنگامہ کیا مگر وہ ہمت نہ ہارا۔ یہانتک کہ اُن جزیروں کے کنارے پہونچ گیا جنکا تعلق امریکہ سے تھا اور اس طرح ایک نئی دنیا کا پتہ لگایا۔ یہ اُسکا استقلال تھا

گوری قوموں نے امریکہ میں ایک سلطنت قایم کی جو ریاست ہائے متحدہ کہلاتی ہے" اور ملکی باشندونکو غلام بنا کر اُن سے اپنے کھیتوں میں کام لینے لگے۔ ان میں چند گورے لوگ ایسے تھے جو اُس کے خلاف تھے۔ رفتہ رفتہ اِن مخالفان غلامی کی تعداد بڑھتی گئی اور وہ یہی کہتے ہے کہ ملکیوں کو اس طرح غلام بنانا جایز نہیں ہے۔ آخرکار آپس میں بہت بڑی لڑائی ہوئی جس میں شمالی ریاستوں کو فتح ہوئی اور انھوں نے تمام حبشی غلاموں کو آزاد کر دیا۔ یہ لوگ جنھوں نے تھوڑی تعداد سے غلامونکی حمایت پر کمر باندھی تھی کبھی ہمت نہیں ہارے اور آخرکار کامیاب ہوے۔ یہ اُنکا استقلال تھا

اب ہم ہندوستان کی تاریخ سے ایک مثال پیش کرتے ہیں مشہور رشی شنکر جس کے نام سے ملیبار کو عزت ہے - جہاں وہ اب سے بارہ سو برس پہلے پیدا ہوا تھا بچپنے ہی سے اُس کے دل میں سنیاسی بننے کا خیال پیدا ہوا - اُسکی ماں نہیں چاہتی تھی کہ شنکر سنیاسی بنے - ہرچند وہ جانتی تھی کہ اُس کے بیٹے کی خواہش پاک ہے - ایک دن ماں بیٹے دونوں ندی پر نہانے گئے جو اُس وقت طوفانی ہو رہی تھی شنکر نے غوطہ لگایا اور فوراً ہی ایک مگرمچھ نے اُس کا پاؤں پکڑ لیا - اس وقت موت اُس کی آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی - مگر اس مصیبت میں بھی اُس بہادر نوجوان نے اپنے ارادے کو نہیں چھوڑا اور اپنی ماں سے پکار کے کہنے لگا :-

"امّاں میں جاتا ہوں - مگرمچھ مجھکو کھینچے لئے جاتا ہے
مجھے اجازت دو کہ میں سنیاسی ہو کر مروں"

ماں نے روکر جواب دیا :- "اچھا بیٹا اچھا" شنکر نے کسی نہ کسی طرح اپنا پیر مگر سے چھوڑا لیا اور بچ کر نکل آیا - یہاں تک کہ وہ ایک بہت بڑا گرو ہوا اور مرتے دم تک اپنی بات پر قائم رہا اور تمام عمر دھرم کی تعلیم دینے میں صرف کی -

جو لوگ ہندوستان سے محبت رکھتے ہیں وہ مہابھارت کی مشہور و معروف نظم سے بھی واقف ہیں جو کئی صدی قبل سنسکرت زبان میں لکھی گئی تھی لیکن جب میں نے مہابھارت کو پڑھنے کا ارادہ کیا تو سنسکرت کی اصل کتاب میرے کسی کام کی نہ تھی - اس لئے کہ میں انگریز ہوں اور سنسکرت نہیں جانتا - مجھے انگریزی ترجمے کی ضرورت ہوئی

میرے ایک دوست نے مجھے اس کا انگریزی ترجمہ بہم پہونچادیا جو گیارہ جلدوں میں تھا گیارھویں جلد کے شروع میں ایک خوش رو آدمی کی تصویر نظر آئی جو ایک دھاری دار پگڑی سر پر باندھے اور ایک سوتی کپڑے کا جبہ پہنے ہوئے تھا۔ اُس کا بایاں ہاتھ ایک کتاب پر تھا جو اُس کے بائیں گھٹنے پر رکھی ہوئی تھی۔ ایک اور جلد اُس کے داہنے ہاتھ کی طرف میز پر دھری تھی۔ تصویر کے نیچے لکھا تھا:-

"بابو پرتاب چندر رائے"

اُس کی تصویر سے ذرا بھی بوڑھاپا نہیں پایا جاتا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے استقلال ظاہر تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی دور کے مقصد تک پہونچنا چاہتا ہے اور کسی روک کی پروا نہیں کرتا۔ اس کا یہ مقصد کتاب مہابھارت کے ترجمہ انگریزی کا چھاپنا اور شائع کرنا تھا۔ اور آخر وہ کتاب چھپی اور شائع ہوئی۔

پرتاب چندر رائے نے اپنے ایک دوست کساری موہن گنگولی کو مہابھارت کا انگریزی ترجمہ کرنے پر آمادہ اور سو حصّوں میں اُسکے شائع کرنے کا انتظام کیا۔

مگر افسوس ہے کہ جب ترجمے کے کُل چھ حصّے شائع ہونے کو باقی رہ گئے اُس وقت باہمت پرتاب چندر اس دُنیا سے اُٹھ گیا۔ اُس نے بارہ سال تک اس کتاب کو انگریزی کرنے میں صرف کیئے۔ وہ ہندوستان کے مختلف حصّوں میں اُسکی اشاعت کے لئے چندہ مانگتا پھرا اور بہت سے غریب اور امیر اصحاب اور نیز اُسکے علم دوست احباب نے جو یورپ اور امریکہ کے رہنے والے تھے چندہ دیا۔ جب وہ اسی چندے کیلئے سفر کررہا تھا۔

اسے بخار آنے لگا جو اُس کی موت کا باعث ہوا۔

پرتاپ چندر کوئی بڑا آدمی نہ تھا بلکہ ایک معمولی کتب فروش تھا اور اُسکی جو کچھ پونجی تھی وہ اُس نے مہابھارت کے ترجمے پر صرف کر دی۔ جب وہ اپنی اخیر بیماری میں بستر موت پر پڑا تھا (۱۸۹۵ء) اس وقت بھی اُس کا سارا دھیان اسی ترجمے کی اشاعت کی طرف لگا ہوا تھا اور مرتے مرتے اُس نے اپنی زوجہ سے یہ وصیت کی کہ "دیکھو اِس کتاب کو انجام کو پہونچاؤ۔ میرے شرادھ اور مراسم غمی پر روپیہ نہ صرف کرو اور جہاں تک ممکن ہو غریبانہ زندگی بسر کر کے مہابھارت کی اشاعت کے لئے روپیہ بچاؤ"

پرتاپ چندر آخر دم تک ہندوستان اور ہندوستان کی مشہور نظم کا دل دادہ رہا۔ اُس کی بیوہ سندری بالا بائی نے بھی اپنے خاوند کی وصیت کو نہیں بھلایا۔ مترجم کتاب گنگولی نے بھی وفاداری کے ساتھ کام کیا۔ یہاں تک کہ آخری حصہ جولائی ۱۸۹۶ء میں ختم ہو کر شائع ہوا اور اب انگلستان کے ہر مرد اور عورت تک قدیم ہندوستان کی اس مشہور تاریخی نظم کی آٹھوں جلدیں پہونچ سکتی ہیں جن میں پانچو بھائیوں کا قصہ اور کورکشیتر کی عظیم الشان لڑائی اور راجہ یودھشٹر کے بیکنٹھ جانے کی کہانی مذکور ہے۔

اور جب وہ اس ترجمے کو پڑھیں گے تو ہندوستان کے قدیم شاعر والمیکی تا رک .... کی یاد دیں گے جنھوں نے مہابھارت جیسی عجیب و غریب کتاب تصنیف کی اور پرتاپ چندر کی محنت کی قدر کریں گے جس نے اتنی بڑی کتاب کو ترجمہ کرا کے شائع کیا۔

پرتاپ چندر اے نے استقلال سے کام لیا۔

اسی طرح ہم ایوبؑ کے استقلال کا قصّہ پڑھ چکے ہیں

ہم نے روبیوں کے استقلال کا حال بھی سُن لیا۔

ہم نے کولمبس کے استقلال کی کہانی بھی پڑھی

ہم نے حبشی غلاموں کو آزاد کرنے والوں کے استقلال کا حال بھی پڑھا

ہم نے شنکر کے استقلال کا ذکر بھی سُنا جو نہایت نا اُمیدی کے وقت میں اُن سے ظاہر ہوا ہم نے آخر میں پرتاب چند رائے کے استقلال کا قصّہ پڑھا۔

اے بہادر لڑکو! اب یہ بتاؤ کہ تمھارا دل کیا یہ نہیں چاہتا کہ نیک کام میں استقلال دکھلانے والے مردوں اور عورتوں کے زبردست گروہ میں داخل ہو۔ تم خود غور کرو کہ گھر میں مدرسہ میں اور اس وسیع دُنیا میں کون سے ایسے اچھے کام ہیں جنھیں تمکو استقلال دکھانا چاہئیے

سبق نواں

سادہ زندگی (۱)

حضرت محمدؐ جنھوں نے اپنی ساری عمر لوگوں کی ہدایت میں صرف کی اور جنکو دولت و آرام کی کبھی کوئی پرواہ نہ ہوئی ایک دفعہ کھُرّی چٹائی پر سو رہے تھے۔ جب سو کر اُٹھے تو جسم پر چٹائی کے نشان پڑ گئے تھے۔ ایک صحابی نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ نے ایسے سخت بستر پر کیوں آرام فرمایا جس سے آپ کے جسم کو ایذا پہونچی۔ اگر آپ فرماتے تو میں آپ کے لئے نرم بستر مہیّا کر دیتا۔

حضرتؐ نے جواب دیا کہ نرم بستر میرے لئے نہیں ہے۔ مجھے دنیا میں کام کرنا ہے میں اُس وقت آرام لیتا ہوں جب جسم کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر میرا آرام لینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی سوار منزل طے کر رہا ہو اور راستہ میں تھوڑی دیر کے لئے ٹھیر جائے اور پھر آگے بڑھے۔ ۱؎

دیکھو آنحضرت نے اپنے صحابی سے فرمایا کہ مجھے دنیا میں کام کرنا ہے ایسی بات تھی جس نے آپ کی سادہ زندگی کو قابل فخر بنایا (چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں کہ فقر میرا فخر ہے) آپ کو فرض رسالت ادا کرنا تھا آپ اپنا دین عرب میں پھیلانا چاہتے تھے اور یہی خیال عیش و عشرت دنیاوی کی فکر آپ کے دل میں نہیں آنے دیتا تھا۔ آپکی توجہ نرم بچھونے اور قیمتی فرنیچر کے بجائے بہت اعلیٰ مقصد کی طرف مبذول رہتی تھی۔

ذیل کی حکایت سے جس کا تعلق عرب سے ہے ظاہر ہوگا کہ سادہ زندگی میں ایک ایسے شخص کو جس کی جسمانی اور روحانی صحت اچھی ہو عیش و عشرت کی زندگی اور عالی شان محلوں کی سکونت سے زیادہ آرام ملتا ہے۔

کہتے ہیں کہ قبیلۂ بنی کلب کی ایک لڑکی تھی جس کا میسون نام تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی صحرائی منظروں اور خیموں میں پرورش پاکے بسر ہوئی تھی۔ اور وہ کھجور کے باغوں اونٹوں کے گلوں گھوڑوں کے طویلوں اور عربستان کی چراگاہوں میں کھیل کر پلی تھی۔

۱؎ احادیث نبوی مولفہ عبداللہ المامون ۱۲

اتفاق سے اُس کی شادی خلیفہ معاویہ کے ساتھ ہوئی - اگرچہ خلیفہ بہت دولتمند تھا اور اُس کے محل میں صدہا لونڈی غلام خدمت کے لئے موجود تھے مگر عالیشان قصر اور سامان عیش و عشرت سے اس صحرائی لڑکی کی روح کو راحت نہیں ملتی تھی۔ اکثر جب وہ تنہا ہوتی تو اپنی تصنیف کے عربی اشعار پڑھا کرتی جن کا مضمون یہ ہوتا تھا

"اونٹ کے بالوں کا کمل میری نظر میں اس شاہانہ لباس سے بہتر ہے"

"صحرائی خیموں میں رہکر زندگی بسر کرنے میں جو آرام ہے وہ اس محل کے آراستہ کمروں میں نہیں ہے"

"ہمارے خیموں کے اطراف بچھیروں کو جنگل میں کلیلیں کرتے ہوئے دیکھکر جو لطف آتا ہے وہ لطف یہاں کے ساز و سامان سے آراستہ گھوڑوں کو دیکھکر نہیں آتا"

"صحرا میں ہماری راوٹیوں کے پاس جب کسی اجنبی آدمی کو دیکھکر ہمارا کتا بھونکتا ہے تو اس کی آواز جیسی سریلی اور خوش آیند معلوم ہوتی ہے ویسی شاہی گارد کے شہنا کی آواز نہیں ہوتی -"

ایک دن میسون کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے خلیفہ نے سن لیا اور اس کو اپنے محل سے نکال دیا - میسون (شاعرہ) اپنے قبیلے میں واپس گئی اور پھر خلیفہ کے محل کی طرف منھ پھیر کے کبھی نہ دیکھا۔[1]

[1] اربیک پوئٹیز فار انگلش ریڈرس مصنفہ کلوسٹن - ۱۲

خوشی کی بات ہے کہ یورپ امریکہ اور ملکوں کے لوگ اب اس بات کو کسی قدر سمجھنے لگے ہیں کہ سادہ زندگی فضول خرچی اور نمایش کی زندگی سے بہتر ہے۔ جن لوگوں کے پاس دولت ہے۔ مرد ہوں یا عورتیں وہ اب اپنا سرمایہ فضول خرچی میں لٹانے سے پرہیز کریں گے۔ اب اُن کو سادہ اور مفید غذا میں بہ نسبت قیمتی اور مرغن غذا کے زیادہ لطف آنے لگا ہے۔ اور بجاے بیکار اور نمایشی فرش و فرنیچر کے جو محض لوگوں کے دکھانے کے لیئے غیر ضروری مقدار میں جمع کیا جاتا ہے چند مستحکم اور کار آمد چیزوں سے اپنے مکان کو آراستہ کرنا اچھا سمجھنے لگیں ہیں۔

ہندوستان اور انگلستان کے بعض لوگ جنھوں نے عام قومی کاموں کے لیئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے نہایت معمولی اور سادہ طور پر رہنے لگے ہیں جس سے ان کی صحت اچھی رہتی ہے اور وہ دُنیا کے کاموں میں زیادہ حصّہ لے سکتے ہیں۔ علاوہ بریں وہ ان لوگوں کی عبرت کا باعث ہیں جو اپنی دولت لباس فرنیچر اور ضرورت سے زیادہ نوکر چاکر رکھکر بیہودہ اور پُر غرور نمایش پر صرف کرتے۔ جو شخص ان ابواب میں فضول خرچی کرتا ہے وہ اس خزانے کو برباد کرتا ہے جو غریب اور حاجتمند پڑوسیوں کی ضرورتوں میں کام آتا ہے۔

سینٹ فرانسس جو ایک مقدس آدمی تھا اور جسکی عیسائی بہت عزت کرتے تھے۔ اس کا کام یہ تھا کہ وہ اطالیہ اور فرانس میں نیک زندگی بسر کرنے کی ہدایت کیا کرتا تھا اور اس سے اُس کا مقصود روپیہ کمانا نہیں تھا۔ وہ معمولی کھانے اور

کپڑے پر قانع تھا اور بھیک مانگ کر زندگی بسر کرتا تھا کیونکہ اُس کا دل اس خیال سے غنی تھا کہ میں لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرتا ہوں۔

ایک دن وہ اور اُسکا رفیق ماسیو ایک گانوں میں وارد ہوے اور فرانسس ایک گلی کی طرف اور ماسیو دوسری گلی کی طرف مانگنے نکل گئے۔ اب سُننے کی بات یہ ہے کہ فرانسس پستہ قد اور کم رو تھا اور ماسیو دراز قد اور خوبصورت جسکی وجہ سے لوگ فرانسس کو تھوڑی بھیک دیتے تھے اور ماسیو کو بہت۔ جب مانگ چکے تو شہر کے دروازے کے باہر دونوں پھر ایک جگہ آن کر ملے جہاں صاف پانی کا ایک چشمہ تھا۔ دونوں آدمی چشمے کے کنارے پتھر کی چٹان پر بیٹھے اور جو روٹیاں مانگکے لائے تھے ان کو جھولی سے نکال کے رکھا۔ اُس وقت فرانسس نے اپنے ساتھی سے کہا:

"بھائی ماسیو ہم اس نعمت کے مستحق نہیں ہیں!"

اسپر ماسیو نے جواب دیا:۔ "بے شک! مگر میں ان سوکھے ٹکڑوں میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس کو نعمت سے مثال دی جائے۔ نہ ہمارے پاس دسترخوان ہے نہ چھری ہے نہ رکابی ہے نہ پیالہ ہے نہ میز ہے نہ خدمتگار۔ ۔ ۔"

تب فرانسس نے بات کاٹ کے کہا:۔ "مگر ہمارے پاس کھانے کو روٹی ہے روٹی کے رکھنے کو یہ قدرتی میز ہے (یعنی پتھر کی چٹان) اور پینے کو اس چشمے کا صاف اور خوشگوار پانی ہے"

یہ حالت تھی بہادر فرانسس کے دل کی۔ مگر اس قصّہ سے یہ مطلب نہیں ہے

کہ غریب آدمیوں کو ہمیشہ اپنی غریبانہ حالت پہ قناعت کرنی چاہیئے۔ بلکہ اس سے ہم کو یہ سبق حاصل ہوا ہے کہ جو عالی حوصلہ لوگ کسی نیک کا بیڑا اٹھاتے ہیں اُن کی ہمت تکلیف کی حالت میں کیسی بڑھی ہوئی رہتی ہے۔

حضرت محمدؐ جیسے اولوالعزم نبی اپنے طرزِ عمل سے عام انسانوں کو سادہ زندگی بسر کرنے کی تعلیم دے سکتے ہیں۔ بیستون لڑکی کے سے معمولی اشخاص کو سادہ زندگی میں خوشی اور آرام حاصل ہو سکتا ہے۔ سینٹ فرانسس جیسے فقیر منش بزرگوں کو اپنے ہم جنس انسانوں کی خدمت کرنے میں تکلیف اٹھا کر بھی خوشی حاصل ہو سکتی ہے۔

ہم کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ جو لوگ اپنا روپیہ فضول آرایش کی چیزوں پر صرف کرتے ہیں وہ درحقیقت اُس روٹی اور دولت کو برباد کرتے ہیں جو اُن کے عزیز بھائیوں کے کام آتی۔

سبق دسواں

سادہ زندگی (۲)

ہندوستان کے مشہور شاہنشاہ اکبر کے زمانے میں آگرہ میں جین مذہب کا ایک سنیاسی رہتا تھا جس کا بنارسی داس نام تھا۔ ایک دن شاہنشاہ نے اُسے اپنے دربار میں طلب کیا اور کہا کہ تم کو جس چیز کی خواہش ہو وہ طلب کرو میں تمہیں دونگا بنارسی داس نے جواب دیا کہ جتنی ضرورت ہے خدا نے اُس سے زیادہ مجھے دے رکھا ہے

اکبر: "کچھ تو کہو"

بنارسی: "اگر جہاں پناہ کی یہی مرضی ہے تو میری ایک آرزو ہے اور وہ یہ ہے کہ مجھے پھر دربار میں نہ طلب کیا جائے۔ اس لیے کہ میں اپنا سارا وقت خدا کی عبادت میں صرف کرنا چاہتا ہوں"

اکبر: "اچھا جو تم نے کہا وہ مجھے منظور ہے۔ مگر اب تم سے میرا ایک سوال ہے"

بنارسی: "ارشاد"

اکبر: "مجھے کوئی اچھی نصیحت کرو۔ میں اس کو یاد رکھوں گا اور اُس پر عمل کروں گا"

بنارسی (کسی قدر تامل کے بعد) "حضور اس کا خیال رکھیں کہ حضور کی غذا صاف اور سادہ ہوا کرے جب کوئی چیز کھانے یا پینے کی آئے تو اُسے غور سے ملاحظہ فرمالیا کریں خصوصاً رات کے وقت"

اکبر: "میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہمیشہ تمھاری نصیحت پر عمل کروں گا"

واقعی یہ نصیحت مفید تھی۔ اس لیئے کہ سادہ غذا اور سادہ پانی جسم کو صحیح رکھتے ہیں اور صحیح جسم مثل ایک مندر کے ہے جس میں پاک روح اور پاک خیالات رہتے ہیں۔

جس روز بنارسی داس اکبر کی ملاقات کو آیا تھا اکبر نے اُس تاریخ کو ہر سال کے لئے روزہ کا دن قرار دیا اور بڑی رات تک کچھ کھاتا پیتا نہ تھا۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ اُسی تاریخ پر اکبر روزہ سے تھا دن بھر کے بعد سونے چاندی کی رکابیوں میں کھانا دسترخوان پر چنا گیا۔ بادشاہ سلامت کو کھانا شروع کرنے سے پہلے بنارسی داس

کی نصیحت یاد آگئی - غور سے جو کھانے کو دیکھا تو رکابیوں پر لال چونٹیاں چڑھ گئی تھیں - دسترخوان اٹھا دیا گیا اور اکبر نے بنارسی داس کو احسانمندی کیساتھ یاد کیا[1]

یہ بات تو تمھاری سمجھ میں ضرور آگئی ہوگی کہ اس نصیحت سے بنارسی داس کا فقط یہی منشا نہ تھا کہ آدمی کھانے کے ساتھ لال چونٹیاں نہ کھا جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ کھانے کی نسبت اس امر کا اطمینان کر لینا نہایت ضروری ہے کہ اس میں کوئی خرابی یا کسی ناقص چیز کا میل تو نہیں ہے - ایسا کھانا کھانے سے جو خالص نہ ہو بہت سی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں - آج کل جتنے مہذب ملک ہیں سب میں اس بات کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے کہ کھانے کی چیزیں خالص اور بے میل ہوں اکثر شہروں میں خاص طور پر ایک ایسا عہدہ دار مقرر ہوتا ہے جو محض اس بات کی نگرانی رکھتا ہے کہ بازاروں میں گھی گوشت میوہ ترکاری وغیرہ ناقص اور مضر صحت نہ بکنے پائے -

لیکن اس سے بھی کچھ نہیں ہو سکتا - ممکن ہے کہ بازار سے اچھی چیزیں آئیں مگر گھر میں آکے اس طرح رکھی اور استعمال کی جائیں کہ تندرستی کو اُن سے نقصان پہونچے - بلکہ بعض اوقات تو سمیت پیدا ہو جاتی ہے - اس لئے ہم سب کو چاہئے کہ اکبر بادشاہ کی طرح کھانے سے پہلے اپنی رکابی کو غور سے دیکھ لیا کریں - خلاصہ یہ کہ ایسی غذا جس سے خالص خون پیدا ہونے میں شک ہو نہ ہم کو خود کھانی چاہئے نہ کسی کو

---

[1] یہ روایت ایک مضمون سے لی گئی ہے جو مسٹر سوسا دولال جینی نے مصنف کو لکھ کر بھیجی تھی ۱۲

کھلانی چاہیئے اور نہ بیچنی چاہیئے۔

بنارسی داس نے اکبر کو یہ نصیحت بھی کی تھی کہ پینے کی چیز کو بھی بغور دیکھ لیا کرے۔ حالانکہ جو قصہ اوپر بیان ہوا اُس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے پایا جاسے کہ پینے کے برتن میں کوئی خراب چیز نکلی ہو۔ مگر پھر بھی ایک پینے کا پیالہ ایسا ہے جو دیکھنے میں نہایت شفاف اور خوش رنگ نظر آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس اندر جو چیز ہے وہ نہایت مزیدار اور طبیعت کو بحال کرنے والی ہے۔ حالانکہ یہ ایسی بُری چیز ہے جو انسان کی تباہی اور موت کا باعث ہے۔ یہ پیالہ اُس شربت کا ہے جس میں الکوہل شریک ہوتی ہے۔ یعنی شراب۔ چاہے وہ کسی قسم کی کیوں نہ ہو۔

یہ سچ ہے کہ دنیا میں بہت سے آدمی ایسے بھی ہیں جو شراب پینا جائز سمجھتے ہیں۔ ہم کو ضرور ہے کہ ان کے خیالات کا پاس کریں۔ اس لئے کہ جہاں یہ لوگ شراب پینے کو جائز سمجھتے ہیں وہاں شراب نہ پینے کو ناجائز بھی نہیں سمجھتے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ:۔

(۱) کچھ لوگ دنیا میں ایسے ہیں جو الکوہل یعنی شراب کے استعمال کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

(۲) کچھ لوگ ایسے ہیں جو شراب پینے کو جائز سمجھتے ہیں۔

(۳) ایسا کوئی نہیں جو شراب نہ پینے کو ناجائز سمجھتا ہو۔

انگلستان میں کچھ لوگوں نے ایک انجمن قائم کی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ شراب پینا چھوڑ دیا جائے۔ اس کے جلسوں میں نوجوانوں کے ساتھ اکثر کم سن لڑکے شریک ہوتے ہیں لکچروں کو سنتے اور طرح طرح کے امید افزا گیت گا کر مجمع کا جی خوش کرتے اور ہمت بڑھاتے ہیں۔ ان گیتوں کا مضمون بالعموم یہ ہوتا ہے کہ ہم ترک شراب خواری کے متعلق اپنے عہد و پیمان پر قائم رہا کریں گے۔

اب انگلستان اور امریکہ میں ہزارہا آدمی ایسا پیدا ہو گیا جس نے یہ عہد کر لیا ہے کہ تمام عمر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگائیں گے بعض مقامات پر دوکانداروں کو شراب بیچنے کی ممانعت ہو گئی ہے کہتے ہیں کہ ہندوستان میں جہاں کے لوگ شراب نہ پینے میں بہت نیک نام تھے کچھ دنوں سے شراب خواری کی بری عادت ترقی کرتی جاتی ہے جس کی وجہ سے ہندوستان کے اکثر حصوں میں شراب خواری کی مخالف انجمنیں روز بروز قائم ہوتی جاتی ہیں تاکہ لوگوں کو اس نالائق کام سے باز رکھیں۔ ان انجمنوں کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے میوہ دار درختوں کی یا مستحکم قلعوں کی جو لوگوں کو خطرے سے بچاتے ہیں۔ الکوہل (شراب) کا خطرہ ہندوستان کی قدیم کہانیوں کے راکسوں کے خطرے سے بھی زیادہ ہے۔ کہانیوں میں جن راکسوں کا ذکر ہے وہ فقط جسم کو صدمہ اور ضرر پہونچاتے تھے۔ مگر شراب کا دیو دماغی قوت اور انسانی چال چلن کو صدمہ اور نقصان پہونچاتا ہے۔ شراب سے جو نقصان پہونچتا ہے وہ چار

طرح کا ہے۔

(۱) اس سے جسم کو نقصان پہونچتا ہے

(۲) اس سے روح کو نقصان پہونچتا ہے

(۳) شراب پینے والوں کی اولاد ناقص ہوتی ہے

(۴) شراب سے قومی خدمت کو نقصان پہونچتا ہے

اِس لیئے کہ ہر انسان اپنے ہم جنس انسانوں کا خادم ہے۔ اگر ہم اپنی صحت اور دماغ کو شراب سے خراب کرلیں گے تو ہم اپنی قوم کے بُرے خادم ثابت ہونگے۔ اور ہماری مثال اُس سپاہی کی ہوگی جو ٹوٹے ہتیار لے کر جنگ کے لئے جائے۔ یا اُس ملّاح کی جو ٹوٹی کشتی لے کر دریا کے سفر کو نکلے یا اُس قاصد کی جو لنگڑے گھوڑے پر سوار ہوکر خبر پہونچانے جائے یا اُس دایہ کی جو بیمار کے پاس لیٹ کر سو جائے پھر کیا تم اُسکو نہیں پسند کرتے کہ ہندوستان اور بنی نوع انسان کے شریف خادم بنو۔؟

رُوما کا مشہور شاعر وَرجل اپنا وقت کھیتوں اور مزرعوں میں گذارنے کا بہت شایق تھا۔ بیلوں کو ہل چلاتے۔ زمین میں تخم ریزی کرتے اور کھیتوں کو جو انسان اور حیوان کی غذا پیدا کرتے ہیں پھلتے پھولتے دیکھنے میں اُس کو بڑا لطف آتا تھا۔

بیل کا جسم بہت بھاری بھرکم ہوتا ہے۔ اس کے اعضا بہت قوی ہوتے ہیں

اس کا کام جو سال بہ سال اُسے کرنا پڑتا ہے بڑی محنت کا ہوتا ہے پھر بھی بقول درجل :- بیل کبھی شراب پی کر یا مرغن غذا کھا کر اپنے جسم کو نقصان نہیں پہونچاتا وہ معمولی گھانس پات پر زندگی بسر کرتا اور صاف چشموں کا خالص پانی پیتا ہے اور کوئی فکر اس کی میٹھی نیند کو اچاٹ نہیں کرتی ،،

یہی قول دوسرے حیوانوں پر بھی ٹھیک اُترتا ہے جن کی قوت انسان سے کہیں زیادہ اور صحت کہیں اچھی ہوتی ہے۔

قوی بنو!

اگر تمھارے والدین یا اُستاد تم سے کمزور بننے کی فرمائش کریں تو تم کو کیسا برا معلوم ہوگا۔ دیکھو طاقتور بننے کو تمھارا کیسا جی چاہتا ہے۔

یاد رکھو جو مرد یا عورت شراب نہیں پیتے وہ طاقتور ہوتے ہیں اور اگر طاقتور نہ ہوں جب بھی جس قدر طاقت اُن میں ہے وہ ضائع نہیں ہونے پاتی۔

بنارسی داس کی نصیحت کو یاد رکھو۔

کھاتے وقت اپنی رکابی کو بغور دیکھ لو اور پیتے وقت اپنے گلاس کو خوب

سبق گیارھواں

انجام بینی

"کیا خوب نشانہ لگایا ہے!"

یہ آواز مجمع میں سے اُس وقت بلند ہوئی جب ایک نوجوان ہندوستانی تیر انداز نے ایک چھوٹی سی چڑیا کو تاک کر ایسا تیر مارا کہ وہ نیچے آ رہی۔

ایک شخص :- "ہاں" مگر دن نکلا ہوا ہے۔ تیر انداز جس چیز پر نشانہ لگاتا ہے اُس کو اچھی طرح دیکھ سکتا ہے۔ اِس لئے وہ ایسا قدر انداز نہیں ہے۔ جیسے دسرت"

دوسرا شخص :- دسرت کیا کرتا ہے؟"

پہلا :- "وہ شبد بیدھی ہے؟"

دوسرا :- شبد بیدھی کس کو کہتے ہیں؟"

پہلا :- شبد بیدھی وہ ہے جو آواز پر نشانہ لگائے"

دوسرا :- میں تمھارا مطلب نہیں سمجھا"

پہلا :- دسرت اندھیرے میں نشانہ لگاتا ہے اور اُس کا نشانہ صحیح ہوتا ہے وہ جنگل میں جاتا ہے اور ہیر یا پر کی آواز سے اُس معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں جگہ پر کوئی جانور یا پرندہ ہے وہیں پر تیر مارتا اور اپنے شکار کو گرا لیتا ہے"

غرضکہ راجکمار دسرت اجودھیا کا شہزادہ تھا۔ تیر اندازی میں ایسا مشہور جیسا اوپر مذکور ہوا، اور خود اُس کو بھی اپنے شبد بیدھی ہونے پر گھمنڈ تھا اور وہ لوگوں کی تعریف سے خوش ہوتا تھا۔ دسرت کا دستور تھا کہ شام کے وقت رتھ میں سوار ہو کر تنہا جنگل کو جاتا اور شکار کی آہٹ لیتا رہتا کبھی اُس کے کانوں کو

کسی ارنا بھینسے یا ہاتھی کے پیروں کی آہٹ ملتی جو پانی پینے ندی پر آتے اور کبھی ہرن کے قلانچیں بھرنے یا شیر کے چلنے کی آواز سنائی دیتی۔

ایک رات دسرت جھاڑیوں میں بیٹھا آہٹ لے رہا تھا۔ ناگاہ اُس کے کان میں ایسی آواز آئی جیسے کوئی پانی میں چل رہا ہے۔ اس کو خیال ہوا کہ بیشک ہاتھی ہے۔ اندھیرے میں یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کون جانور ہے مگر نشانہ لگانے کے لئے آواز کافی تھی۔ دسرت شبد بیدھی تو تھا ہی اُس نے اسی آواز پر تاک لگا کر تیر لگایا۔ تیر کا کمان سے نکلنا تھا کہ ایک آواز آئی:۔

"دوڑو! دوڑو!! مجھے سنبھالو میں زخمی ہو گیا۔ کسی نے مجھے تیر مارا"

اس آواز کا سننا تھا کہ دسرت کے ہاتھ سے کمان چھوٹ پڑی اور اُس کا سر خوف سے چکرانے لگا۔

"بڑا غضب ہوا۔ میں نے یہ کیا کیا؟ جنگلی جانور کے بدلے کسی آدمی کو مارا"

دسرت یہ سوچتا ہوا جھاڑیوں کو پھلانگتا بھاگا۔ ندی کے کنارے پہونچکر اُس نے ایک نوجوان کو دیکھا جو پڑا اپنے خون میں لوٹ رہا تھا۔ اُس کے بال پریشان تھے اور ہاتھ میں گھڑا تھا۔

لڑکا "مہاراج۔ کیا وہ آپ ہی ہیں جس نے یہ کاری تیر لگایا؟ میں نے آپ کا کیا بگاڑا تھا جو آپ نے اس طرح میری جان لی؟ میں ایک سنیاسی کا لڑکا ہوں میرے ضعیف ماں باپ اندھے ہیں اور میں اکیلا ان کی خدمت کرنے والا

تھا۔ یہاں انھیں کے لئے پانی لینے کو آیا تھا۔ اب میں انکی خبر گیری نہ کر سکوں گا۔ آپ جائیے اور اس واقعہ کی اُن کو خبر کر دیجئے۔ وہ دیکھئے آگے جو راستہ گیا ہے اُسی کے قریب اُن کی جھونپڑی کا ہے۔ مگر جانے سے پہلے میرے سینے سے یہ تیر نکال لیجئے جس وجہ سے مجھے بہت ایذا ہے"

دسرت نے اُس نوجوان کے سینے سے تیر کھینچا اور وہ لڑکا آخری سانس لے کر مر گیا۔ دسرت نے گھڑے کو پانی سے بھرا اور جس طرف اُس مرنے والے لڑکے نے بتا دیا تھا اُس طرف روانہ ہوا۔ جب جھونپڑی کے پاس پہنچا تو اُس اندر سے فقیر نے پکار کے کہا:۔

"بیٹا! اتنی دیر کیوں لگائی۔ کیا نہانے لگے تھے؟ ہم گھبرا رہے تھے کہ تم پر کوئی حادثہ تو نہیں گذرا! بیٹا جواب کیوں نہیں دیتے؟

دسرت (کانپتی ہوئی آواز سے) "سنیاسی مہاراج! میں تمھارا بیٹا نہیں ہوں۔ میں چھتری ہوں اور وہ جنگجو ہوں جس کو اپنی تیر اندازی پر بڑا گھمنڈ تھا۔ آج رات کو میں شکار کی تاک میں بیٹھا تھا کہ میرے کانوں میں ایک آواز آئی جس سے میں یہ سمجھا کہ کوئی جنگلی ہاتھی ندی میں پانی پی رہا ہے میں نے اُس آواز پہ تیر لگایا۔ افسوس صد افسوس کہ اُس تیر نے تمھارے بیٹے کی جان لی! مہاراج بھگوان کے لئے مجھے بتاؤ کہ میں اس پاپ کا بدلہ کس طرح کروں"

یہ سنتے ہی دونوں بڈھا بڈھی بلبلا کے رونے لگے اور راجکمار سے اُس

جگہ چلنے کو کہا جہاں اُن کے اکلوتے فرزند کی نعش پڑی ہوئی تھی - اندھے باپ ماں بیٹے کی میت پر آئے - نوحہ خوانی کی - اشلوک پڑھے مردے کو غسل دیا اُس کے بعد بڑھے سنیاسی نے کہا:-

"سُن اے دسرت تو نے ہم کو ہمارے بیٹے کا داغ دیا اور رلایا ہے تجھے بھی ایک دن اپنے پیارے بیٹے کے لئے رونا پڑے گا - ابھی نہیں - اس کو بہت زمانہ درکار ہے - مگر تجھے اپنے کئے کا بدلہ ضرور ملے گا"

یہ کہہ کر اُس نے اپنے بیٹے کی چِتا بنائی اس کو آگ دی اور دونوں بڈھا بڑھی خود بھی اُس میں گر کے ہلاک ہو گئے -

دن جس طرح گذرتے ہیں گذر گئے - دسرت اپنے باپ کی جگہ اجودھیا کا راجہ ہوا - اور رانی کوسلیا کے ساتھ اُس کی شادی ہوئی جس کے پیٹ سے نامی گرامی فرزند رام پیدا ہوا - رام ایسا ہر دلعزیز نوجوان راجکمار تھا کہ سارا شہر اُس سے محبت کرتا تھا - بجز رانی کیکئی اور اُس کی کوبڑ خادمہ کے - یہ دونوں عورتیں اس بات پر آمادہ ہو گئیں کہ جس طرح بنے رام کو تباہ و برباد کریں - آخر اُنکی فتنہ پردازی سے رام کو چودہ برس کا بن باس جھیلنا پڑا - اِس طرح دسرت کو بھی اپنے پیارے بیٹے کے لئے رونا پڑا اور ان بڈھے والدین کی بد دعا اُس کے آگے آئی - جن کے فرزند کو اُس نے رات کے وقت چشمے کے کنارے جنگل میں تیر سے ہلاک کیا تھا -

اب غور کرو کہ اگر دسرت دن کی روشنی میں شکار کھیلتا ہوتا اور اپنے شبدبیدی ہونے پر احمقانہ گھمنڈ نہ کرتا تو اُس کو اس طرح اپنے بیٹے کی جدائی کا صدمہ کیوں اٹھانا پڑتا[1]

مگر وہ اپنی تیر اندازی پر ایسا مغرور تھا کہ اُسے انجام بینی کا ذرا بھی خیال نہ تھا اور کبھی اس بات کو ذہن میں بھی نہ لاتا تھا کہ اس طرح اندھیرے میں بے دیکھے بھالے شکار کھیلنے سے ممکن ہے کہ کسی انسان کو صدمہ پہونچے۔ یہ سچ ہے کہ دسرت کی نیت یہ نہ تھی کہ کسی کو نقصان پہونچائے لیکن وہ انجام بین اور دور اندیش نہ تھا۔

ذیل میں ہم دو گِدوں کا قصّہ بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ گِدوں کی نیت اپنے دوست کو فایدہ پہونچانے کی تھی مگر حقیقت میں انھوں نے اُسے مصیبت میں پھنسانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔

کہتے ہیں کہ دو بڈھے گِد بہت تکلیف کی حالت میں تھے اُن کا ایک بچّہ جو آن کے لئے تھوڑی بہت غذا مہیا کر دیتا تھا۔ شہر بنارس (کاشی) کے ایک سوداگر کو ان گِدوں کی حالت پر ترس آیا۔ اُس نے اُن کو لے جاکے ایک خشک جگہ میں رکھا۔ وہاں آگ روشن کرتا اور اُن کو روز ڈھوروں کا گوشت لاکر کھلاتا۔

جب بارش کا موسم آیا تو یہ دونوں گِد جو اب خوب کھا پی کر موٹے

---

[1] ماخوذ از کتاب رامائن مترجمہ رمیش چندر دت ۱۲

تازے اور طاقت ور ہو گئے ننھے پہاڑ پہاڑ گئے۔

تھے تو جانور مگر سوداگر کا احسان نہ بھولے اور دل میں یہ ٹھان لی کہ ہم اپنے محسن کو فائدہ پہونچائیں گے غرضکہ انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جہاں کہیں کسی کا کوئی کپڑا پھیلا ہوا دیکھا فوراً اٹھا لائے اور سوداگر کے گھر میں ڈال دیا۔ اسی طرح وہ گھر گھر اور گاؤں گاؤں پھرتے اور لوگوں کے کپڑے لا لا کر سوداگر کا گھر بھرتے رہے۔

سوداگر یہ جانتا تھا کہ گدھیرے اس احسان کا بدلا کرتے ہیں۔ لیکن تھا آدمی سمجھدار اس لیئے نہ تو اُس نے اُن کپڑوں کو فروخت کیا اور نہ خود اپنے استعمال میں لایا۔ بلکہ اُن کو ایک جگہ جمع کرتا گیا۔

آخر کار لوگوں نے جال لگا کر ایک دن گدھ کے بچے کو پکڑا اور اُس کو راجہ کے پاس لائے۔ راجہ نے اُس سے سوال کیا کہ تو میری رعایا کے کپڑے کیوں چرُاتا ہے۔

گدھ کے بچے نے جواب دیا کہ ایک سوداگر نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر احسان کیا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اُس کے احسان کا بدلا کریں۔

راجہ نے سوداگر کو طلب کیا اور اُس سے اس واقعے کی حقیقت دریافت کی سوداگر نے جواب دیا کہ مہاراج بیشک یہ گدھ مجھے کپڑے لا لا کر دیتے ہیں مگر آج تک جو کپڑے یہ لائے ہیں میں نے اُن سب کو اٹھا کے ایک طرف رکھ دیا

اور ان کے مالکوں کو حوالے کرنے لگے۔ [illegible] لہ

یہ مثال احمقانہ نیکی کی ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ نادان دوست دشمن سے بدتر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ گدسوداگر کا احسان دل سے مانتے اور اُس کا بدلہ کرنا چاہتے تھے۔ مگر انھوں نے اپنی احسان مندی کا اظہار بے وقوفی کے ساتھ کیا۔

جاپان کے لوگ انجام بینی یا دوراندیشی کے خیال کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ بُدھا کی تصویر بناتے ہیں جو کنول کا پھول لئے ہوئے مراقبہ (دھیان) میں مصروف ہے اور اُس کے سامنے تین لنگور کھڑے ہیں۔ ایک اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے ہے۔ دوسرا کانوں پر اور تیسرا منہ پر۔

تم سمجھے کہ لنگوروں کا مطلب اس طرح آنکھ، کان اور منہ پر ہاتھ رکھنے سے کیا ہے؟

پہلا کہتا ہے "میں کوئی بُری اور بے وقوفی کی چیز نہیں دیکھتا"

دوسرے کا مطلب یہ ہے کہ "میں کوئی بری اور بے وقوفی کی بات نہیں سنتا"

تیسرے کا منشا یہ ہے کہ میں کوئی بُری اور بے وقوفی کی بات نہیں کہتا"

لہ ماخوذ از کتاب جگ کا ترجمہ کول ۱۲

اگر ہم تختہ سیاہ پر ایک دوراندیش آدمی کی عادات کی فہرست لکھیں تو وہ اس طرح ہوگی:-

دوراندیش آدمی:-

جو بات کہتا ہے سوچ سمجھکر کہتا ہے۔

جو بات سُنتا ہے اُسے سوچتا اور سمجھتا ہے۔

جو کچھ دیکھتا ہے اُس پر غور کرتا ہے۔

کھانے پینے اور پہننے میں خیال رکھتا ہے۔

اِسنہ چلتا ہے تو دیکھ کر چلتا ہے۔

کل کی یعنی آیندہ فکر رکھتا ہے۔

کسی بات کے کہنے یا کسی کام کے کرنے سے۔

پہلے اُس کے نتیجے کو سوچ لیتا ہے۔

غرض کہ ہر امر میں نتیجہ اور انجام کا خیال رکھتا ہے۔

سبق بارھواں

راست گوئی

ایک شیر ایک لومڑی اور ایک بھیڑیا مل کر ایک ساتھ شکار کو نکلے اور تینوں نے تین جانور شکار کیئے۔ ایک گدھا۔ ایک ہرن اور ایک خرگوش

پھر تینوں مل کر شکار کے پاس کھڑے ہوئے اُس وقت شیر نے کہا:۔
"دوست بھیڑیے! اب یہ بتاؤ کہ ہم تینوں شکاری اپنے شکار کی تقسیم کس طرح کریں؟"
بھیڑیے نے جواب دیا کہ "تقسیم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تم نے گدھا مارا ہے اُس کو لے لو۔ لومڑی خرگوش لے لے اور میں ہرن کو" یہ سُننا تھا کہ شیر دھاڑا اور ایک گھونسا بھیڑیے کے سر پہ اس زور سے مارا کہ اُس کا کام تمام ہو گیا (بھیڑیے کو اُس کی نصیحت کا یہ پھل ملا)۔ پھر شیر لومڑی کی طرف پلٹا اور اُس سے پوچھا:۔
"میرے عزیز دوست! اب تم بتاؤ کہ تمھاری کیا صلاح ہے؟"
لومڑی نے ادب سے جھک کر سلام کیا اور بولی "حضور یہ تو سیدھی سی بات ہے۔ گدھا آپ کے دن کے خاصہ کو ہوگا۔ اور ہرن رات کے خاصہ کو رہے گا۔ رہا خرگوش وہ سہ پہر کے ناشتہ کو کام آئے گا"
شیر لومڑی کی یہ تقریر سُن کر خوش ہو گیا اور بولا "بہت خوب! بہت خوب تم کو یہ عقلمندی اور انصاف کی باتیں کس نے سکھائیں"
لومڑی نے جواب دیا کہ "مجھکو اس مرے ہوئے بھیڑیے نے عقل سکھائی"
اب دیکھو کہ لومڑی نے اپنی باتوں سے شیر کو خوش کر دیا۔ مگر کیا جو کچھ اُس نے کہا وہ دل سے کہا؟ کیا اُس کی گفتگو سچ اور راست تھی؟ نہیں! (رہنمائی)

کہ جو کچھ اُس نے کہا وہ ڈر سے کہا۔ مگر شیر نے اُس کی تقریر کی نسبت کہا کہ وہ سچ کہتی ہے۔ اس لئے کہ شیر تو گوشت کو دوست رکھتا ہے سچائی کو دوست نہیں رکھتا۔

ایک سلمان مصنف ابو عباس نے حضرت سلیمان کا ایک قِصّہ لکھا ہے جو یروشلم (بیت المقدس) کے حکمراں تھے حضرت سلیمان کے دربار میں چھ سو کرسیاں بچھتی تھیں جن پر ایک طرف عُقلا اور حکما بیٹھتے تھے اور دوسری طرف جنات اور پریاں جو سلیمان کی خدمت کرتی تھیں۔ حضرت سلیمان کو یہ قدرت حاصل تھی کہ اُن کے ادنیٰ اشارے سے پرندے جمع ہو جاتے اور ان کے درباریوں پر اپنے پروں کا سایہ کرکے ٹھیرے رہتے۔ اور آپ کے حکم سے ہوا آتی اور آپ کو اور آپ کے درباریوں کو مع سکان ایک ماہ کے راستے پر اٹھا کے لے جاتی جس سے وہ دور دراز کے ملکوں میں حکومت اور انتظام رکھ سکتے تھے۔

جب حضرت سلیمان کے باپ حضرت داؤدؑ کا انتقال ہوا تو سلیمان نے ایک عجیب و غریب تخت بنوایا جیسا کبھی کسی بادشاہ نے نہیں بنوایا تھا۔ اور جسکی نظیر نہ تاریخ میں ملتی ہے اور نہ قصہ کہانی کی کتابوں میں۔ اس تخت کے بنوانے سے سلیمان کا مطلب یہ تھا کہ کوئی شخص اُن کے سامنے جھوٹ بات نہ کر سکے۔ کہتے ہیں کہ یہ تخت ہاتھی دانت کا تھا اور اُس پر طرح طرح کے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ تخت کے اطراف سونے کے بنے ہوئے

کھجور کے درخت جن کے پھل یاقوت و زمرد کے تھے لگائے تھے۔ ان میں سے دو درختوں پر دو سنہرے مور بیٹھے تھے اور دوسرے دو درختوں پر دو سنہرے باز تھے۔ تخت کے دو جانب دو سنہرے شیر زمرد کے دو ستونوں میں بندھے تھے۔ کھجور کے درختوں کے تنوں کے گرد انگور کی سنہری بیلیں لگائی تھیں جن میں یاقوت کے پھل لگے تھے۔ قبیلۂ بنی اسرائیل کے سردار حضرت سلیمان کی داہنی جانب بیٹھتے تھے اور اُن کی کرسیاں سونے کی تھیں۔ بائیں جانب جنات اور پریاں بیٹھتی تھیں جن کی کرسیاں چاندی کی تھیں۔ لوگ اپنی اپنی فریادیں دربار میں لے کر آتے اور حضرت سلیمانؑ ان کی دادرسی کیا کرتے تھے۔

اب دادرسی کی کیفیت سنو کہ جب کوئی شخص اپنے کسی ہمسائے کے موافق یا مخالف گواہی دینے کے لئے آگے بڑھتا تو ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ (جیسا کہ ابو عباس نے لکھا ہے) وہ لکھتا ہے کہ تخت مع سلیمان اور دوسری اشیا کے جو اس کے ساتھ ملحق تھیں گردش کرنے لگتا۔ دو نو شیر زمین پر پنجوں اور دموں سے مارنا شروع کرتے، مور اور باز پر پھیلا دیتے۔ اس نظارے کو دیکھ گواہ کے دل پر خوف چھا جاتا اور وہ ایک لفظ بھی جھوٹ نہ کہہ سکتا[1]

اب اس بات کو خیال کرو کہ جو شخص اپنے جی سے سچ بولنا چاہتا ہے کیا اُس کے لئے اُس کی ضرورت ہے کہ تخت سلیمان کے کرشمے دکھا کر اُس کو

---

[1] ماخوذ از کتاب حیواۃ الحیوان

ڈر یا جائے ۔ سچائی کا تخت نیک آدمی کا دل اور سچ اُس کے دل کی پاکی کی
وجہ سے اُس کی زبان پر آتا ہے ۔ سچا آدمی اُستاد مالک قاضی یا بادشاہ کے خوف
سے سچ نہیں بولتا بلکہ اس لئے سچ بولتا ہے کہ سچ بولنا بہادری کی نشانی ہے
اور راست گوئی بہادر آدمی کی فطرت میں داخل ہے ۔

ہم اعداد میں سچائی کو پسند کرتے ہیں ۔ دو اور دو چار ہوئے ۔ اگر کوئی شخص
کہے کہ نہیں دو اور دو پانچ تو ہم کبھی اس بات کا یقین نہ کریں گے اور جب ہم
ایک مرتبہ کوئی پہاڑا سیکھ لیں مثلاً

۱۲ = ۱ × ۱۲
۲۴ = ۲ × ۱۲
۳۶ = ۳ × ۱۲
۴۸ = ۴ × ۱۲
۶۰ = ۵ × ۱۲
۷۲ = ۶ × ۱۲

وغیرہ وغیرہ

تو اس پہاڑے کی سچائی ہمارے دل میں جم جاتی ہے ۔ اور اگر کوئی شخص کہے
کہ (۱۲ × ۶ = ۷۵) یا (۱۲ × ۲ = ۲۰) تو ہم کو سخت اُلجھن ہوتی ہے ۔

اسی طرح ہم سچائی کو علم نجوم (وہ علم جو چاند سورج اور ستاروں سے متعلق ہے)

میں پسند کرتے ہیں۔ بہت دنوں پہلے عقلمندوں نے اس بات کو دریافت کیا سال ۳۶۵ ¼ دن کا ہوتا ہے۔ اب اگر کسی وقت یہ معلوم ہو کہ زمین تین سو یا چار سو دن میں آفتاب کے گرد چکّر لگاتی ہے تو ہم کو بڑی حیرت ہوگی اور یہ کہنا پڑیگا کہ زمین نے اپنا راستہ چھوڑ دیا یا غلط کر دیا۔ اور اُس وقت ہمکو اپنے مہینوں ہفتوں اور تیہوار کے دنوں کا حساب رکھنے میں بڑی مشکل ہوگی۔

جس طرح ہم اعداد میں سچّائی کو پسند کرتے ہیں اسی طرح زمین چاند اور ستاروں کی رفتار میں سچّائی کو پسند کرتے ہیں اور اسی طرح ہم کو انسانوں میں بھی سچّائی کو پسند کرنا چاہیئے۔ جو شخص ہمیشہ ایسی باتیں کرتا رہتا ہے۔ جو سچ نہیں ہیں وہ اپنے بھائیوں یعنی انسانوں کا سخت دشمن ہے لوگ یہ نہیں سمجھ سکتے کہ کب اُس کی بات کو یاد کریں اور کب نہ کریں۔ اُس کے نزدیک نیلا نیلا نہیں ہے۔ روپیہ روپیہ نہیں ہے۔ گاے گاے نہیں ہے۔ اور بارہ تر کے چھتیس نہیں ہوتے (۱۲×۳=۳۶) اگر وہ وعدہ کرے کہ میں فلاں کام کروں گا تو اُس کا منشا کچھ اور ہی ہوگا۔ اُس کے سُننے والوں کو بھی جو کچھ وہ کہے گا اُس کا یقین نہ آئیگا۔ کوئی گاؤں ہو یا شہر اگر وہاں کے باشندے سچ بولنے کے عادی نہیں ہیں تو وہاں کا کوئی کام درست نہیں ہوسکتا۔

ہم نے کتاب رامائن میں رشی داد ہیچی کا قصّہ پڑھا ہے کہ اُس نے کیسا وعدہ کیا اور کس طرح اپنے وعدے پر قائم رہا۔ کہتے ہیں کہ دیوتا اندرا اور ورترا کس

میں لڑائی ہوئی۔ بڑے بڑے زبردست دیوتا اندرا کے شریک تھے مگر ورترا کی طاقت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اندرا باوجود ہر طرح کی قدرت رکھنے کے بھی اُس پر غالب نہ آسکتا تھا۔اس وقت وشنو نے کہا:۔

"دیوتاؤ میں نے ایک تجویز سوچی ہے"

سب دیوتا بیتاب ہوکر پوچھنے لگے کہ وہ کیا تدبیر ہے، تب وشنو نے کہا کہ:۔
نیمشیا کے جنگل میں دادیچی نامی ایک عابد و زاہد رشی رہتا ہے اگر وہ اپنی ہڈیاں ہم کو دے اور اُن کے تیر بنائیں جائیں تو البتہ ہم اُن تیروں سے اپنے دشمنوں کو ہلاک کرسکیں گے"

دیوتاؤں نے وشنو سے کہا کہ جاؤ اور اُس رشی سے مدد کی درخواست کرو۔پس وشنو جنگل کو گیا اور رشی سے کہا، کہ کیا آپ اس ظالم راکس کے مقابلے میں دیوتاؤں کی مدد کرسکتے ہیں"

رشی:۔میں خوشی سے تمھاری مدد کروں گا"

وشنو۔"کیا آپ ایسی چیز کا دینا منظور کریں گے جو آپ کو بہت زیادہ عزیز ہے"

رشی۔"بے شک"

وشنو۔"کیا جو کچھ دیوتا آپ سے کہیں گے آپ اس کے کرنے پر راضی ہو نگے"

رشی۔"ہاں میں راضی ہوں"

وشنو۔ اگر ایسا ہے تو تم اپنی ہڈیاں مجھے دیدو،،
دادھیچی اپنے وعدے پر قائم رہا اور اس نے اپنی گردن کو خوشی تلوار کے نیچے رکھدی وشنو نے اُسے ذبح کر کے اس کی ہڈیاں نکالیں اور اُن کے تیر بنائے اور ان تیروں سے اندر، وشنو اور ان کے شریک حال دیوتاؤں نے اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کی ؎
دیکھو اگر رشی دادھیچی سچ نہ بولتا اور اپنے وعدے کو پورا نہ کرتا تو راکھس ورترا پر دیوتاؤں کو کس طرح فتح حاصل ہوتی۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ وعدہ کر کے اس پر قائم رہنا ہمیشہ اچھا ہی ہوتا ہے جیسا تم نے اوپر دادھیچی کی وعدہ وفائی کا بیان پڑھا ہے۔ میں تم کو ایک قصہ سناتا ہوں جس سے تم کو معلوم ہوگا کہ ایک وعدہ کیسا بُرا کیا گیا تھا جو پورا کیا گیا۔
دسرت دن بھر راج کا کام کر کے شام کو خوشی خوشی محل میں آیا کہ اپنی رانی کے ساتھ عیش و آرام میں رات بسر کرے۔ مگر محل میں داخل ہو کے اُس نے رانی کو نہ پایا۔ خادماؤں سے دریافت کیا کہ رانی کہاں ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ اَٹواٹ کھٹواٹ لیئے پڑی ہیں۔ دسرت نے جب یہ سُنا کہ کیکئی رانی اٹواٹ کھٹواٹ لئے پڑی ہے تو اُس کے دل کو رنج ہوا۔ وہ سمجھا کہ معلوم نہیں رانی کو کیا تکلیف پہونچی ہے۔ جب راجہ اُس کے پاس آیا تو دیکھا کہ کیکئی زمین پر پڑی ہوئی ہے،

؎ ماخوذ از کتاب راماین مترجمہ کروز ۱۲

زیور اور عمدہ کپڑے اُتار کے پھینک دیئے ہیں۔ میلے کچیلے کپڑے پہن لیئے ہیں اور بھاؤں کی شکل بنائے ہے۔

"راجہ" میری پیاری میرے جان و دل کی مالک۔ تم کو کس بات کا رنج ہے" راجہ نے کیکئی کے گلے میں باہیں ڈالکر پوچھا۔ کیکئی نے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

راجہ نے پھر خوشامد سے کہا "کہو کہو! تم کو کس بات کی تکلیف ہے۔ میں اپنے بہادر بیٹے رام کی قسم کھا کے وعدہ کرتا ہوں کہ جو تم مانگو گی وہی دونگا"

رام کا نام سنتے ہی کیکئی اٹھ بیٹھی اور جواہرات اور کپڑے پہن لیئے۔

راجہ نے اپنی تقریر کا سلسلہ پھر یوں شروع کیا "آج اجودھیا کے سارے لوگ خوشیاں منا رہے ہیں کیونکہ کل صبح کو میرا بہادر فرزند رام میری جگہہ راج گدّی پر بیٹھے گا۔ تم بھی رانی کوسلیا کے بیٹے کی گدّی نشینی کے جشن میں شریک ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ رام کے گدّی پر بیٹھنے سے تم اسی قدر خوشی ہو گی۔ جتنی بھرت کے بیٹھنے سے ہوتی ہو خاص تمھاری اولاد ہے"

"مگر کیکئی تو پہلے ہی رام کی بربادی کا منصوبہ گانٹھ کر بیٹھی تھی اور بھرت کو گدّی نشین کرانا چاہتی تھی۔ آخر اس نے کہا:۔

"آپ نے بہادر راما کی قسم کھائی ہے کہ جو میں مانگوں گی وہی دیں گے"۔

راجہ "ہاں"

کیکئی "اچھا تو میں آپ سے دو سوال کرتی ہوں۔ پہلا یہ کہ میرے بیٹے بھرت کو گدی پر بٹھایئے۔ دوسرا یہ کہ رام کو چودہ برس کے لئے ملک سے خارج کر دیجئے"

یہ سُننا تھا کہ راجہ کے بدن میں رعشہ پڑ گیا اور وہ اس طرح کانپنے لگا جیسے باز کو دیکھ کر چڑیا کانپتی ہے۔ اس کے دل پر ایک بجلی سی گری۔ اور اُس کا سر چکرانے لگا۔ اُس نے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ پھر ٹھنڈی سانسیں بھر کے بولا:۔

"میرا ہرا بھرا درخت سوکھ گیا۔ رانی کیکئی نے اجودھیا کے شہر کو ویران اور برباد کر دیا"

پھر تھوڑی دیر کے بعد "ہائے رام۔ رام۔ رام" کہہ کے ایک چیخ ماری آخر رام کو چودہ سال کے لیئے اجودھیا سے دیس نکالا دیا گیا کیونکہ راجہ۔ راجپوت راجہ۔ اپنی بات سے پھر نہیں سکتا تھا۔

اب تمھیں بتاؤ کہ ہم اس افسوسناک قصّے کی نسبت کیا کہیں گے؟

۱۔ دسرت کو ہرگز بغیر سمجھے بوجھے ایسا وعدہ نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

۲۔ رانی کو بھی لازم نہیں تھا کہ ایسے بُرے مقصد کے حاصل کرنے کے لیئے راجہ کے قول کی گرفت کرتی۔

۳- دسرت کو چاہیئے تھا کہ ہرگز ایسے وعدے کی پروا نہ کرتا اور رانی کو صاف جواب دے دیتا کہ وعدہ احمقانہ تھا- میں اگر اس کو پورا کروں گا تو رام کے حق میں ناانصافی اور ظلم ہوگا- میں ہرگز تمھاری ناجائز خواہش کی پیروی نہیں کر سکتا[1]

اب ہم کو اس بات پر اتفاق کرنا ہوگا کہ بعض وعدے بے وقوفی کے اور مجنونانہ ہوتے ہیں جن کو ہرگز پورا نہ کرنا چاہیئے-

ہم کو اس پر بھی اتفاق کرنا پڑے گا کہ جو شخص ڈر اور خوف سے کوئی بات کہتا ہے وہ جھوٹ کہتا ہے-

سچائی اعداد کو باقاعدہ بنا دیتی ہے جس سے ہم اُس پر بھروسہ کر سکتے ہیں سچائی سورج چاند اور ستاروں میں باقاعدگی قائم رکھتی ہے- غرضکہ- خواہ کسی لڑکے کی تقریر ہو جو وہ اپنے والدین اُستاد یا دوستوں سے کرتا ہے خواہ جوان آدمی کی تقریر ہو جو وہ کسی بچے سے کرتا ہے-

---

[1] مسٹر ڈی سبرینیم ایر- ساکن ٹمکور نے تحریک کی ہے کہ اکثر ہندو اس بات پر اتفاق نہ کریں گے کہ کسی حالت میں بھی وعدے سے پھرنا جائز ہو سکتا ہے خواہ وعدہ کسی وجہ سے کیا گیا ہو- جب کبھی اُستاد کو ایسی مشکل پیش آئے تو وہ آزادی کے ساتھ شاگردوں سے بحث کر سکتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی نہ کوئی بات طے پائیگی اور کم از کم یہ خیال ضرور پیدا ہوگا کہ کسی سے کیوں نہ ہو کوئی اقرار کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا جائے۔ ۱۲

خواہ وہ پڑوسیوں کی گفتگو ہو جو وہ باہم کرتے ہیں۔
خواہ بڑے بڑے تاجروں کی۔ چھوٹے چھوٹے دوکان داروں کی اور عام خریداروں کی تقریر ہو جو وہ باہمی لین دین کے وقت کرتے ہیں۔
خواہ معزز شہریوں کی تحریر و تقریر ہو۔ گھر والوں آپس کی باتیں ہوں یا اخباروں اور کتابوں کی خبریں یا مضامین ہوں یا سرکاری اور عام مجمعوں کے مباحثے ہوں:۔
اگر راست گوئی پر مبنی ہیں تو قابل اعتبار اور قابل عزّت ہیں!

سبق تیرھواں

خلوص

امروہہ میں مٹّی کے برتن نہایت خوبصورت اور خوش نما بنتے ہیں۔
ان پر بیدری کام کی نقل بڑی عمدگی سے اتاری جاتی ہے۔ لوگ دیکھتے اور اپنے جی میں کہتے ہیں کہ کیسے اچھّے برتن ہیں۔ یہ چیز رکھنے کے لیے بہت اچھے ہیں اور وہ چیز رکھنے کے لئے بہت اچھّے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔
مگر جب تم ان کاغذی برتنوں میں سے کسی ایک کو اٹھا کے دیکھو گے تو تم کو معلوم ہوگا کہ وہ بالکل ہلکے اور سُبک ہوتے ہیں۔ ایسے کہ ذرا بے احتیاطی سے

ہاتھ لگا اور ٹوٹ گئے۔ پھر بھلا ایسے برتن استعمال میں رہکر کیا کام دینگے۔ غرضکہ یہ برتن محض نمائشی اور دکھنوے ہوتے ہیں۔ جو دیکھنے میں بڑے کام کے مگر حقیقت میں صرف پھوٹ جانے کے ہیں [1]

یہ کاغذی برتن اصل میں اچھے برتن نہیں ہیں! اسی طرح بعض آدمی بھی اچھے اور سچے آدمی نہیں ہیں! ایسے آدمی جو بات کہتے ہیں وہ اُن کے دل کی بات نہیں ہوتی۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ "ہم تمہارے ساتھ ہوکر لڑیں گے" "ہم تمہاری مدد کریں گے" مگر سچ سچ اُن کی یہ نیت نہیں ہوتی۔ یہ لوگ امروہہ کے کاغذی برتن ہیں جو بہت جلد ٹوٹ جاتے ہیں۔

جنوبی ہند سے قدیم قصوں کی کتابوں میں ہے کہ ایک شہزادہ تھا جس کی صفت یہ تھی کہ جب کبھی ہنستا تو کوسوں تک چمیلی کی خوشبو پھیل جاتی۔ اسی وجہ سے اُسکو "چملیا راجہ" کہتے تھے۔ مگر شرط یہ تھی کہ اُس کی ہنسی بناوٹی نہ ہو بلکہ دل سے ہو۔ اگر کبھی یہ دیکھنے کے لیئے کہ وہ کس طرح ہنستا ہے لوگ اُس سے ہنسنے کی فرمائش کرتے تو کبھی اُس کے مُنھ سے 'ہا ہا ہا' کی آواز نہ نکلتی۔ لیکن جب کبھی سچ مُچ اُس کا جی خوش ہوتا اور اُسے ہنسی آتی تو 'ہا ہا ہا۔ ہا ہا ہا' کی آواز اُس طرح اُس کے مُنھ سے نکلتی جیسے پانی کی چادر گرتی ہے [2]

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ راجہ دریودھن نے بہت بڑا اہتمام کیا مکان خوب

---

[1] از کتاب صنائع ہند مصنفہ بی۔ این مکرجی ۱۲ [2] ماخوذ از کتاب فوک لورس آف سورن انڈیا مصنفہ ایس ایم معاہا مستری ۱۲!

آراستہ ہوا۔ چھپن پرکار کھانے کے لیے سونے چاندی کے مرصع برتن تھے جن میں ہیرے زمرد اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ یہ سامان سری کرشن جی مہاراج کی دعوت کے لیئے کیا گیا تھا۔ مگر سری کرشن جی دعوت میں تشریف نہیں لے گئے۔

اب سنو کہ اسی روز کرشن جی کی دعوت ایک دوسری جگہ تھی۔ میزبان ایک غریب شودر تھا۔ کھانا روکھا پھیکا اور برتن بالکل معمولی تھے مگر سری کرشن نے اس شودر کی دعوت قبول کی اور اس کے گھر گئے۔

اب تم ضرور یہ پوچھو گے کہ راجہ دریودھن کے مقابلے میں ایک شودر کی دعوت قبول کرنے میں کیا مصلحت تھی؟

اس کی وجہ سنو! وجہ یہ ہے کہ شودر نے سچے دل سے دعوت کی تھی۔ یعنی اس کی نیت میں خلوص تھا۔ برخلاف اس کے دریودھن کا مقصد یہ تھا کہ اپنی شان و شوکت کا اظہار کرے۔

بالکل اسی طرح ایک دفعہ رام کی دعوت ایک غریب بوڑھیا نے کی جس کا خاوند چڑیماری کا پیشہ کرتا تھا۔ اس بڑھیا نے رام جیسے با عظمت راج پتر کے سامنے جو دستر خوان بچھایا اس پر صرف تھوڑے سے پھل چنے گئے تھے اور وہ بھی چڑیوں کے کترے ہوئے تھے۔ مگر رام نے انھیں بڑی خوشی سے تناول فرمایا اور ان کو اپنے غریب مگر با اخلاص میزبان کی صحبت میں بڑا لطف آیا۔[۱]

---

[۱] ماخوذ از کتاب آرین انکلڑوتس مصنفہ آرائیس پانڈیا جی ۱۲

چڑیمار کی دعوت خلوص پر مبنی تھی - اس کے پاس جو سب سے بہتر غذا تھی
اُس نے اپنے معزز مہمان کے سامنے رکھ دی - راؔم نے بھی اپنے میزبان
کی خاطر سے اس کے پیش کیئے ہوئے پھلوں کو خوشی سے نوش جان کیا -

جلاؔل ایک مشہور واعظ اور بہت بڑے بزرگ تھے - ایک بار دو ترک ان
کا وعظ سُننے کے لیے آئے اور تھوڑی سی کھجور بطور تحفہ لائے - جلال کے بعض شاگردوں
نے اس ناچیز تحفے کو حقارت سے دیکھا - جلاؔل ان کا مطلب سمجھ گئے اور بولے :-

"آنحضرت کو کچھ ضرورت پیش آئی اور آپ نے اپنے صحابہ کو اُس کی سربراہی
کے لیے حکم فرمایا - لوگوں کے امکان میں جو کچھ تھا وہ لے کر خدمت بابرکت
میں حاضر ہوئے - بعض اپنے مال و اسباب کا نصف حصّہ لائے - بعض تہائی - ابوبکرؓ
نے اپنا سارا مال و اسباب لاکر حاضر کیا - اس طرح ہتیار گھوڑے اونٹ رسد جو کچھ
درکار تھا فراہم ہوگیا - سب کے ساتھ ایک بوڑھیا بھی تین دانے کھجور کے اور
ایک روٹی لے کر حاضر ہوئی کیونکہ اس غریب کے پاس اسکے سوا اور کچھ نہ تھا -
بعض صحابی یہ محقر ہدیہ دیکھکر مسکرائے - اُس وقت آنحضرت نے سب کو مخاطب
کرکے فرمایا کہ مجھکو وحی خداوندی پہونچی ہے کہ فرشتے تم سب کے ہدیوں کو ترازو میں تول
رہے ہیں اس طرح کہ ایک پلّے میں بوڑھیا کے تین خرمے اور روٹی ہے اور
دوسرے پلّے میں تم سب کے ہدایا - مگر پھر بھی بوڑھیا کا پلّہ بھاری ہے - تھوڑی شے
جو خلوص نیّت سے دی جائے بیش قیمت سے بیش قیمت ہدیئے سے بہتر ہے "

یہ حدیث سُن کر وہ دونوں ترک جو جلال سے ملنے آئے تھے بے انتہا خوش ہو گئے[۱]
تم نے ہندوستان کے قصّے میں دیکھا کہ چوڑے چمار کی عورت جس نے رام کی دعوت کی تھی اس کی نیت میں خلوص تھا جس کے باعث سے اُس کی دعوت کیسی پرلطف تھی۔ اسی طرح مسلمانوں کی روایت میں تم نے دیکھا کہ آنحضرت محمدؐ کی خدمت میں جس بوڑھیا نے تین کھجور اور ایک روٹی پیش کی تھی اُس کی نیت میں کیسا خلوص تھا۔

اسی طرح انگریزی کے خاتم الشعرا شیکسپیر نے اپنے ایک ناٹک میں ایک انگریز بادشاہ کا قصّہ لکھا ہے جس کا نام شاہ لیر تھا۔ اس قصّے کے مطابق کنگ لیر کسی نامعلوم زمانے میں انگلستان کا بادشاہ تھا جسکی تین بیٹیاں تھیں۔ ہم سہولت کے خیال سے بڑی کو بڑی بیٹی منجھلی کو منجھلی بیٹی اور چھوٹی کو رڈیلیا کہیں گے جو اُس کا نام تھا۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ بادشاہ اپنی تینوں بیٹیوں اور دونوں بڑے دامادوں کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ اثنائے تقریر میں شاہ لیر نے کہا کہ۔
"اب میرا بڑھاپا آگیا ہے اور مجھ سے سلطنت کے کاروبار کا بوجھ نہیں اُٹھ سکتا مجھے اب صرف سو مصاحبوں کی ضرورت ہے جو میری ہمراہی میں رہیں گے۔
باقی تمام فوج اور سارا ملک میں اپنے لڑکوں پر تقسیم کر دینا چاہتا ہوں اس کے بعد

---

[۱] ماخوذ از کتاب مولانا روم مترجمہ جے ڈبلیو رڈ ہوس ۱۲

میں باری باری سے تم سب کے ہاں آکر رہا کروں گا اور اس طرح اپنی عمر کے باقی ایام آرام وراحت کے ساتھ گزاروں گا۔"

بادشاہ کی لڑکیاں اور داماد اُس کی یہ تقریر سُن کے بہت ہی خوش ہوئے۔

بادشاہ نے اپنی تقریر کا سلسلہ پھراس طرح شروع کیا:۔

"اور چونکہ اب میں تمھارے ساتھ اتنا بڑا سلوک کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اس لیے مجھے یہ معلوم کرلینا بھی ضروری ہے کہ میرے ساتھ تمھارے دلوں کی کیا کیفیت ہے اب تم یہ بتاؤ کہ مجھ سے کون کس قدر محبّت کرتا ہے۔"

بڑی بیٹی نے کہا:۔ "ابّا جان! مجھے آپ سے اتنی محبت ہے کہ میں اُس کو لفظوں میں نہیں بیان کرسکتی۔ میں آپ کو اپنی آنکھوں سے زیادہ اور اپنی آزادی سے زیادہ عزیز رکھتی ہوں۔ میں آپ کو ہر چیز سے زیادہ چاہتی ہوں۔"

شاہ لیر:۔ شاباش! شاباش!! میری بیٹی کیسی پیاری بیٹی ہے! میں تم کو اور تمھارے شوہر کو اپنی تہائی سلطنت کا مالک کرتا ہوں۔"

دوسری بیٹی کہنے لگی:۔ "بابا جان! میں بھی آپ کو ایسا ہی چاہتی ہوں جیسے بڑی بہن۔ مگر وہ اپنے دل کی بات پوری طرح نہیں کہہ سکیں۔ مجھے آپ کی خدمت کرنے میں اس قدر خوشی حاصل ہوتی ہے کہ ہر چیز کو جس سے خوشی حاصل ہو سکتی ہے نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہوں۔"

ان دونوں کے بعد کورڈیلیا کی باری آئی اور یوں کہنے لگی۔

"حضور انور! میں آپ سے اتنی ہی محبت کرتی ہوں جتنی محبت مجھے آپ سے کرنی چاہیئے۔ اگر میری دونوں بڑی بہنیں سوا آپ کے اور کسی سے محبت نہیں کرتیں تو اُن کو اپنی شادی کرنا لازم نہیں تھا۔ جبکہ میری شادی ہو چکی ہے تو مجھے اپنے خاوند سے محبت کرنا بھی لازمی ہے۔ میں اپنی آدھی محبت اپنے شوہر کو دوں گی اور آدھی آپ کو۔"

اس جواب کو سُن کر بادشاہ بہت ناراض ہوا۔ اس نے ذرا بھی اس پر غور نہ کیا کہ بڑی لڑکیوں نے جو کچھ کہا ہے اس میں خلوص ہے یا نہیں۔ یہ دونوں کاغذی برتن تھیں جو دیکھنے میں محبت کی بڑی پکّی تھیں مگر حقیقت میں انکی محبت بالکل کمزور تھی۔

بادشاہ نے غصّے کی حالت میں جھٹ یہ فیصلہ کر دیا کہ "کورڈیلیا" کو سلطنت میں ذرا بھی حصّہ نہ ملے گا۔ اور نہایت بے رحمی کے ساتھ اس نے اس لڑکی کو وہاں اپنے سامنے سے دھتکار دیا۔

یہ ممکن تھا کہ کورڈیلیا نے جن لفظوں میں اپنا دلی خیال ظاہر کیا ان کی نسبت کسی قدر نرم الفاظ استعمال کرتی۔ مگر اس کو بناوٹ سے نفرت تھی اور وہ اپنی بہنوں کی طرح یہ پسند نہیں کرتی تھی کہ دل میں کچھ ہو اور زبان سے کچھ کہے۔ یہی وجہ تھی کہ اُسکی باتیں بادشاہ کو کڑوی لگیں۔

وقت جس طرح گزر جاتا ہے گزر گیا۔ کاغذی برتن ٹوٹ گئے۔ یعنی جب

بادشاہ لیئر سلطنت تقسیم کرنے کے بعد پہلے اپنی بڑی بیٹی کے گھر گیا تو اُس نے باپ کو اپنے مکان میں نہ آنے دیا۔ دوسری کے ہاں گیا اُس نے بھی یہی سلوک کیا اب جو اس کے کام آئی وہ غریب کورڈیلیا تھی!۔

اسی ناٹک کے ایک سین میں یہ منظر دکھایا گیا ہے۔ کہ بادشاہ لیئر جو اب بے یار و مددگار ہے ضعف اور بیماری کی حالت میں پلنگ پر پڑا ہوا ہے اور اس کا دماغ تقریباً بہک گیا ہے۔ مگر اتنے حواس باقی ہیں کہ وہ اپنی چھوٹی بیٹی کو پہچانتا اور اس قدر سمجھتا ہے کہ آخر میں وہی وفادار ثابت ہوئی اس نے دلفریب اور بڑے بڑے لفظوں میں محبت کا اظہار نہیں کیا تھا مگر جو کچھ تھا اس میں صداقت اور خلوص ضرور تھا۔ اور اب جبکہ وہ بیمار اور اُس کا محتاج ہے کہ کوئی اس کی خدمت کرے اس وقت وہی کورڈیلیا اس کی خدمت کر رہی ہے اور جن لڑکیوں نے اُس وقت چکنی چپڑی باتیں کی تھیں اب اُن میں سے ایک بھی پاس نہیں ہے۔

قصے کا آخری حصہ نہایت دردناک ہے۔ کورڈیلیا مر جاتی ہے۔ اور اب اس بڈھے غریب بادشاہ کی خبر گیری کرنے والا کوئی باقی نہیں رہتا۔ بادشاہ کی عمر اُسی برس سے اوپر ہے۔ اس کا دماغ بالکل پھر گیا ہے۔ وہ اپنی پیاری بیٹی کی لاش لیئے ہوئے اسٹیج (ناٹک کی تماشہ گاہ) پر آتا ہے اور اپنے رفیقوں کی طرف متوجہ ہو کے نہایت درد انگیز لہجے میں یہ الفاظ کہتا ہے!۔

روؤ چیخو! پکارو! فریاد کرو! آہ تم لوگ پتھر کے بنے ہوئے ہو اگر میں تمہاری

زبان رکھتا تو اس قدر فریاد کرتا کہ آسمانوں کی چھتیں شق ہو کر گر پڑتیں۔
مگر اس کی یہ تمام آہ و زاری بے سود تھی۔ اس کی مردہ بیٹی زندہ نہیں ہو سکتی تھی
پھر وہ کورڈیلیا کی نعش اسٹیج پر رکھ دیتا، اور اس کے قریب گھٹنے ٹیک کر
بیٹھتا اور ہونٹوں کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے:۔
"دیکھو! ادھر دیکھو! ادھر دیکھو!!" اور یہی کہتا ہوا جان دے دیتا ہے۔
اس قصے میں جو میں اب تم سے بیان کروں گا تم دیکھو گے کہ راست باز وششٹھا
نے محض اپنی سچائی کی وجہ سے کیسی کیسی مصیبتیں جھیلیں گو کہ خوش قسمتی سے
اس کی جان تو نہیں گئی:۔
کہتے ہیں کہ وشوامتر ایک زبردست اور دولت مند راجہ تھا۔ اسے یہ خواہش
پیدا ہوئی کہ اپنی دنیاوی عزت و عظمت میں تپشیا کے ذریعے سے مذہبی عزت
و عظمت کا اضافہ کرے۔ چنانچہ اس نے اپنی ذات کو بدل دیا یعنی چھتری سے
برہمن بن گیا۔ اور اس کے لیے بے انتہا سے زیادہ عبادت اور تپشیا کرنے لگا
یہانتک کہ لوگوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ وشوامتر برہمن کا لقب کا مستحق ہے
مگر ایک وششٹھا ایسا تھا جس نے جس نے وشوامتر کو برہمن نہیں تسلیم کیا کیونکہ
اس کے خیال میں وشوامتر کی ساری عبادت اور تپشیا ریاکاری اور ہوس پر مبنی تھی۔
راجہ نے اس غصے میں وششٹھا کی اولاد اور اعزہ میں سے سو آدمیوں کو قتل کرا
دیا۔ مگر وششٹھا کے ماتھے پر شکن نہ پڑی اور وہ جس بات کو صحیح سمجھتا تھا کہتا رہا۔

آخر ایک دن شام کو راجہ یہ ارادہ کر کے نکلا کہ آج اس برہمن کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دونگا۔ اسی خیال میں وہ وشستھا کے دروازے تک پہونچا۔ اس وقت اس کے کان میں برہمن اور اس کی عورت کے باہم باتیں کرنے کی آواز آئی اور کھڑا ہو کر سننے لگا:۔

عورت "دیکھو چاندنی کیسی چھٹکی ہوئی ہے! کیونکہ وشستھا تمہارے خیال میں کس کی تپشیا ایسی صاف اور روشن ہے جیسے یہ چاندنی ہے"

برہمن "وشوامترکی"

یہ باتیں راجہ کے دل کو لگیں۔ اس نے اپنے سارے ہتھیار کھول کے پھینک دیئے اور اندر جا کے برہمن کو ادب سے سلام کیا۔

"برہمارشی" یہ الفاظ وشستھا نے بڑی مہربانی کے لہجے میں کہے اور نہایت تپاک سے راجہ کا خیر مقدم کیا کیونکہ اس کو راجہ کے دل میں شرافت کی روح دوڑتی ہوئی نظر آئی۔

راجہ (عاجزی کے لہجے میں) "تم نے پہلے میری تپشیا کا اقرار کیوں نہیں کیا؟"

وشستھا "اس لیئے کہ تم راجپوت کی تلوار ہاتھ میں لے کر اس کے زور سے برہمن کا لقب حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مگر اس وقت تم ایک سچے برہمن کی روح اور دل لے کر آئے ہو"

تم نے دیکھا کہ وشستھا نے کس طرح بغیر کسی لالچ کے صداقت کو نباہا

اور راست گوئی سے باز نہ آیا۔[1]

(۱) چھلیا راجہ کی ہنسی میں خلوص تھا۔

(۲) چڑی مار کی عورت کی دعوت میں صداقت تھی۔

(۳) بڑھیا کے ہدیے میں جس نے حضرت محمدؐ کی خدمت میں تین کھجوریں اور ایک روٹی پیش کی تھی صداقت تھی۔

(۴) کورٹیلیا کو جو محبت اپنے باپ کے ساتھ تھی اس میں صداقت تھی۔

(۵) برہمن وشستھا کے قول و فعل میں صداقت تھی۔

سبق چودھواں

اصل اور نقل

تم یہ کہہ سکتے ہو کہ رات کو چوری کرنا اچھا ہے۔ اس لئے کہ اندھیرے میں کوئی ہم کو دیکھ نہیں سکتا؟ تمھارے دل میں یہ خیال قائم ہو سکتا ہے کہ اندھیرا اُجالے سے اچھا ہے؟ مگر اُس کی اصلی وجہ کچھ اور ہی ہو گی۔ سری رام جی نے پھر ایک بار اندھیرے سے فائدہ اٹھایا ہے۔

مگر در اصل ہمکو یہی کہنا چاہئے کہ آفتاب چمکے روشنی ہو تاکہ لوگ ہمارے قدموں کے نشان دیکھیں اور ہمارے کاموں کو معلوم کریں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کبھی کوئی خیال

[1] ماخوذ از تقریر آنریبل پنڈت مدن موہن مالوی ۱۲

ہم کو اندھیرے میں چھپنے پر مجبور بھی کرے۔

بہادر رام کو جب بن باس کا حکم ملا اور وہ اجودھیا سے روانہ ہوئے تو شہر کے سارے چھوٹے بڑے اُن کے ساتھ ہوئے اسلئے کہ سب کو رام کے ساتھ محبت تھی آخر رات آئی تو رام ایک مقام پر ٹھہر گئے اور شہر والے بھی اُن کے ساتھ ٹھہر گئے دن بھر کے تھکے ماندے تو تھے ہی سب کی آنکھیں لگ گئیں اور بے خبر ہو گئے اس وقت رام نے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔

رام "اب ہم کو نکل چلنا چاہیئے مگر اس طرح کہ ان لوگونکو یہ نہ معلوم ہو سکے کہ ہم کس رستے سے گئے۔ تم رتھ کو اس طرح چکر دیتے ہوئے لے چلو کہ لیک کا ٹھیک نشان نہ ملے"

غرضکہ اسی پر عمل کیا گیا۔ رام سیتا۔ اور لچھمن رتھ میں بیٹھ لیے اور صبح ہوتے ہوتے دور نکل گئے۔ دن چڑھے جب شہر کے لوگ جاگے تو انھوں نے رام کو نہ پایا سب کے سب رتھ کی لیک کو دیکھتے ہوئے ڈھونڈھتے تھے مگر چونکہ رتھ کے نشان ایک رستے پر نہ تھے اسلئے کوئی ادھر گیا کوئی ادھر گیا مگر کسی کو ٹھیک پتہ نہ ملا کہ رتھ کدھر گئی آخر سب کے سب تھک کر شہر کو رام! رام! کہتے ہوئے واپس ہو گئے[۱]

ایسے لوگ بھی ہوں گے جو بظاہر اندھیرے کو پسند کرتے ہوں مگر انکی نیت اچھی ہو بر خلاف اس کے ممکن کہ کوئی آدمی بڑا ہوشیار اور لائق معلوم ہوتا ہو مگر

---

[۱] ماخوذ از رامائن مترجمۂ الیف۔ ایس۔ گروز ر ۱۲

در حقیقت "جھوٹا" ہو۔

ایک برہمن نے اپنے لڑکے کو بنارس میں ایک پنڈت کے پاس تعلیم پانے کے لیئے بھیجا۔ جب وہ واپس آیا لوگ اُسکے دیکھنے کو یہ سمجھ کر جمع ہوئے کہ وہ بڑا لائق اور قابل پنڈت بن کر آیا ہے۔ اور اس کے سامنے ایک سنسکرت کی کتاب رکھکر کہنے لگے کہ "پنڈت جی مہاراج ہم کو اس کا مطلب سمجھاؤ"

یہ لڑکا دیر تک کتاب پر نظر جمائے رہا مگر اس کا ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکا اس لیئے کہ بنارس میں اوس نے کچھ بھی حاصل نہیں کیا تھا۔ البتہ بارہ کھڑی کے حروف تو سیکھے تھے جو اُستاد جلی قلم سے تختی پر لکھ دیتا تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ چُپ چاپ کتاب کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اس وقت لوگوں نے اُس سے کہا "پنڈت جی مہاراج معلوم ہوتا ہے کہ کتاب میں کوئی ایسی بات ہے جو آپ کے دل کو لگی ہے۔ مہربانی کر کے ہم کو بھی سُنایئے کہ وہ کیا ہے"

پنڈت جی نے جواب دیا کہ "بنارس میں بھی اکثر موٹے تھے مگر اب دُبلے ہو گئے ہیں" بے شک کتاب باریک حرفوں میں لکھی گئی تھی جو پنڈت جی کو دُبلے نظر آئے۔

یہ قصہ جو اوپر نقل ہوا کماؤں علاقے کے ہمالیہ میں بہت مشہور ہے۔ اسی ملک کا ایک اور قصہ سنئے اور یہ ہے:-

کماؤں کا راجہ کوہ المورا پر شکار کھیل رہا تھا جہاں اس زمانے تک گھنا جنگل تھا

ناگاہ جھاڑیوں میں ایک خرگوش چھلانگ مار کے نکلا۔ راجہ نے اس کا پیچھا کیا۔ یکایک خرگوش لوٹ پوٹ کے شیر کی صورت بن گیا اور نظروں سے غائب ہو گیا۔ راجہ نے پنڈتوں کو جمع کر کے اُن سے یہ واقعہ بیان کیا۔

اُنھوں نے جواب دیا "مہاراج اس واقعے کی تعبیر یہ ہے کہ جس مقام پر شیر آپ کی نظروں سے غائب ہو گیا وہاں آپ شہر آباد کریں"

راجہ نے پنڈتوں کی بات کو مان لیا اور راج مزدوروں کو شہر تعمیر کرنے کے لئے جمع کیا۔ مگر شہر کی بنیاد ڈالنے سے پہلے راجہ نے لوہے کی سلاخ یا شیل زمین کے اندر ڈال کر اس کی آزمائش کی۔ جب شیل کا کچھ حصّہ زمین کے اندر داخل ہو گیا اُس وقت پنڈت بولے کہ "ٹھیرو! ٹھیرو! اسے اس سے زیادہ اندر ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ دھرتی ناگ (گاؤ زمین) سشانگ تک پہونچ گیا ہے"

راجہ نے کہا کہ اگر یہ سچ ہے تو اس کا ثبوت کیا ہے؟

قصّے میں ہے کہ سبل کی نوک سشانگ کے خون میں بھر گئی تھی۔ پنڈتوں کو یہ دیکھ کر راجہ پر بہت غصّہ آیا اور انھوں نے کہا کہ "آپ چند پشتوں سے زیادہ یہاں راج نہ کر سکیں گے" مگر حقیقت یہ ہے کہ اس مقام پر شہر آباد کرنے کا باعث اس سرزمین کی سرسبزی اور شادابی تھی۔ چھ سو برس تک شہر المورہ اسی مقام پر آباد رہا۔ اور اب تک وہاں کی زمین شادابی اور پیداوار میں بے نظیر ہے [۱]

---

[۱] ماخوذ از کتاب خوک لور آف کماؤں مصنفہ پی۔ جی۔ طلسی۔ ایم۔ بی ۱۲

بہر کیف یہ پنڈت کچھ زیادہ عقلمند نہ تھے۔ مثل ہے کہ "زمانہ خود جھوٹ سچ کو ظاہر کر دیتا ہے" اس قصّے کی نسبت یہ بھی مثل صادق آئی ہے اور ظاہر ہے کہ پنڈتوں نے جو وجہ اُس مقام پر شہر آباد کرنے کی بیان کی وہ صحیح نہ تھی بلکہ شہر بسانے کی اصلی وجہ زمین کی شادابی اور عمدگی تھی۔

بیشک کماؤں کے پنڈتوں نے جو وجہ بیان کی وہ سچ سمجھ کے بیان کی ہوگی اور ہم کو بھی لازم ہے کہ اُن کا ذکر عمدگی کے ساتھ کریں۔

مگر دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اُن کے دل میں کچھ ہوتا ہے اور ظاہر کچھ کرتے ہیں اور خود بھی یہ جانتے ہیں کہ ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ یہ لوگ مکّار اور فریبی ہیں اور ایسے لوگوں کی نسبت تمھارا خیال جیسا ہوتا ہے معلوم ہے۔

دیکھو ہم تم کو بھیڑیئے کا قصّہ سناتے ہیں اسے سُنو۔

دریائے گنگا کے کنارے ایک پہاڑی پر ایک بھیڑیئے کا بھٹ تھا ایک دفعہ دریا کو طغیانی ہوئی اور پانی اسقدر بڑھا کہ اُسنے چاروں طرف سے اس ٹیلے کو گھیر لیا جس پر بھیڑیا رہتا تھا۔ اب بھیڑیئے صاحب پانی کی وجہ سے نہ کہیں نکل سکتے تھے اور نہ اُن کو کھانے کو کچھ نصیب ہوتا تھا۔ فارسی کی مثل ہے کہ "بی کا پردہ چادر نہ ہونے سے ہے" یہی حالت بھیڑیئے کی ہوئی اُس نے کہا کہ "مجھے کھانے کو تو ملتا ہی نہیں ہے پھر میں روزہ کیوں نہ رکھوں!"

یہ کہکر اُس نے روزہ رکھا اور ٹیلے پر بیٹھ کر عبادت میں مصروف ہوا اتفاق سے

ایک جنگلی بکری پہاڑی میں سے پانی پینے کو نکلی اور اُس پر بھیڑیئے کی نظر پڑی۔ "اہا! میری خوراک تو موجود ہے" یہ کہکر بھیڑیئے صاحب بکری پر جھپٹے مگر بکری چھلانگ بھر کے نکل گئی اور بھیڑیا منہہ دیکھکر رہ گیا۔

"ارے کیا میں ایسا نالایق ہوں کہ روزہ رکھکر بکری کو شکار کروں گا۔"

بھیڑیئے نے اس وقت کہا جب بکری نکل گئی "ہرگز نہیں! آج میں روزے سے ہوں۔ آج مجھے بکری کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے"

اب کہو کہ تمھارا خیال اس بھیڑیئے کی نسبت کیا ہے؟ ہمیں اس کی دغا بازی پر ہنسی آتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اسکے دل میں روزے کی سچی عظمت نہیں تھی اسی وجہ سے ہم کو اس کی اس مکاری سے نفرت ہوتی ہے۔ مثل ہے کہ "دبدھا میں دونو گئے نہ مایہ ملی نہ رام"

یہی حالت بھیڑیئے کی ہوئی کہ نہ اس کو بکری کھانے کو ملی اور نہ ہمارے دلوں میں اس کی عزت باقی رہی۔

صداقت کی مزید مثالیں

(۱)

قرآن میں ایک سورہ یا فصل ہے جس میں حضرت محمدؐ کی (معراج) اور شب کے وقت آپ کے مکّہ سے بیت المقدس جانے کا ذکر ہے۔ اس سورہ میں دو آیتیں (جملے) ہیں جو ایسے روشن ہیں جیسے اندھیری رات میں تارے روشن

ہوتے ہیں۔ ان دونوں آیتوں کا ماحصل ہے:۔

(۱) کھڑی رکھ نماز سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک:

(۲) اور گیا آیا سچ۔ اور نکل بھاگا جھوٹ۔ بے شک جھوٹ نکل بھاگنے والا

غلطی کو صحیح علم سے بدلنے میں سچی۔ خوشی ہوتی ہے۔

اُستاد جب اپنے شاگرد کو اصلاح دیتا ہے تو اُسے یہ خوشی ہوتی ہے کہ میں نے طالب علم کی آنکھیں کھول دیں اور اُسے صداقت کی روشنی دکھائی۔

ہنومان کی فوج کے ریچھ اور بندر رام کے ساتھ ہوکر دس سر اور بیس ہاتھ والے راکس (راون) سے لڑ رہے تھے اس وقت جب راون کو یہ معلوم ہوا کہ اب میں نہ بچوں گا اور ہنومان کی بہادر فوج نے اُس پر زیادہ دباؤ ڈالنا شروع کیا اور رام اور لچھمن اس تماشے کو خوش ہوکر دیکھنے لگے اس وقت راون نے جادو سے کام لیا۔ دفعتاً راون کے جادو سے اس کے اطراف ہزاروں رام اور لچھمن پیدا ہو گئے یہ دیکھ کر ہنومان کی فوج ششدر ہوئی کہ رام اور لچھمن پر جو اُنکے پیارے سپہ سالار تھے کس طرح درختوں اور بڑے بڑے پتھروں سے حملہ کریں؟ راون نے دیکھا کہ میرا جادو چل گیا اور اُسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی اسوقت رام بھی ہنسے اور کمان میں تیر جوڑ کر ان خیالی راموں اور لچھمنوں کی طرف مارا جو راون کے ارد گرد نظر آرہے تھے۔ تیر کا چھوٹنا تھا کہ وہ جادو کی شکلیں نظر سے غائب ہوگئیں اور بندروں نے پھر اپنی بہادری کا اظہار شروع کیا۔[1]

---

[1] ماخوذ از کتاب راماین مترجمہ گروز صاحب ۱۲

بنارس میں چار راجکمار تھے۔ چاروں بھائی تھے چاروں نے ایک دن اپنے رتھ بانوں سے کہا کہ "ہم کو آبنوس کا درخت دکھلاؤ" رتھ بان نے کہا کہ مہاراج کا جو حکم۔ پہلے وہ بڑے راجکمار کو جنگل میں لے کر گیا۔ یہ موسم خزاں کا تھا۔ درخت میں پت جھڑ ہو چکی تھی۔ پھول پتے کچھ بھی نہ تھے۔ صرف ایک کالا ٹھونٹھ کھڑا ہوا تھا۔ کچھ ہفتوں کے بعد دوسرے بھائی کو جنگل میں لے گیا اس وقت اس نے جو آ کے دیکھا تو درخت پتوں سے سبز پوش ہو رہا تھا۔

تیسرا اس کے کچھ دنوں بعد جنگل کی ہوا کھانے گیا۔ اب درخت گلابی پھولوں سے لدا ہوا تھا۔

ایک روز چاروں بھائی ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے اُس وقت کسی شخص نے ان سے سوال کیا کہ! آبنوس کا درخت کیسا ہوتا ہے؟

بڑے بھائی نے جواب دیا کہ :- "جیسے لکڑی کا جلا ہوا کندہ"

منجھلے نے کہا :- "جیسے ہرا بھرا پیپل کا درخت"

تیسرے نے فرمایا کہ :- "جیسے گابی گوشت کا ٹکڑا"

چوتھے نے کہا کہ :- "جیسے اکیشیا کا دراخت جو پھولوں سے لدا ہو"

چونکہ چاروں بھائی کے بیان میں اختلاف تھا چاروں مل کر راجہ کے پاس آئے اور اپنا اپنا تجربہ بیان کر کے فیصلہ چاہا۔ راجہ چاروں کی نظر پر ہنس کے مسکرایا اور کہا کہ تم چاروں بھائی سچ کہتے ہو لیکن سب سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ تم میں سے کسی نے

بھی یہ نہ دریافت کیا کہ دوسرے موسموں میں اس درخت کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ اور اس طرح ایک موسم کی حالت تو معلوم کرلی مگر دوسری حالتوں کا خیال نہ کیا۔

۴

۱۸۰۳ء یا اسی کے قریب زمانے میں ایک دن شاہنشاہ دہلی نے دربار کیا اور اپنے اُمرائے دربار کو خلعت و اعزاز عطا کئے۔ جب بادشاہ سب لوگوں کو جو کچھ دینا تھا دے چکا اس وقت اس نے دیکھا کہ ایک نوجوان جس کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا غیر حاضر ہے۔ یہ نوجوان سیّد احمد تھا۔

بادشاہ نے دربار برخاست کیا اور بوچے میں سوار ہو کر محل کو جانے کا قصد کیا عین اسی وقت سیّد احمد بھاگتے ہوئے آئے۔

عرض بیگی نے پکار کر کہا "سیّد احمد"

"تمھارے بیٹے نے آنے میں بہت دیر کی"۔ شہنشاہ نے سیّد احمد کے باپ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

بوچہ چند قدم چل کر نگارخانہ (جہاں تصاویر لگائی جاتی ہیں) میں داخل ہوا تھا کہ بادشاہ نے کہاروں کو ٹھیرنے کا حکم دیا اور سیّد احمد کو باریابی کا شرف بخشا۔ جب نوجوان سیّد احمد حضور میں حاضر ہوئے تو بادشاہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کے دیر حاضری کا سبب پوچھا۔

سیّد احمد نے جواب دیا "حضور انور! میں آج دیر تک سو گیا۔ پھر میرا گھوڑا ذرا کمزور

جانور اور تیس برس کی عمر کا ہے حالانکہ وہ اتنا بڈھا ہے مگر پھر بھی ایسا جاندار ہے کہ اگر میں اس کو تیز کرتا تو وہ مجھکو لے کر کہیں کا کہیں بھاگ جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ آہستہ آہستہ آنے میں مجھے اتنی دیر ہو گئی۔"

درباری اس نوجوان کی تقریر سُن کر حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگے کیونکہ وہ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ سید احمد اپنی دیر حاضری کیلئے کوئی حیلہ تراشیں گے۔ مگر واہ رے جرأت کہ سید احمد نے بادشاہ سے صاف صاف عرض کر دیا کہ ان کے پاس دیر حاضری کا کوئی عذر بجز اس کے نہیں ہے کہ وہ دیر تک سو گئے۔ درباریوں نے بہت چاہا کہ سید احمد کو اشارے سے روک دیں مگر سید احمد راست گوئی کو دوست رکھتے تھے اور چھوٹے بڑے ہر شخص سے سچ بولنے کے عادی تھے۔

بادشاہ اس نوجوان کی صاف گوئی سے بہت خوش ہوا اور اُس کو مرصع سرپیچ اور موتیوں کا مالا سرفراز کیا جو پہلے سے ان کے لیے دینا تجویز تھا۔

یہ وہی نوجوان تھا جو آخر میں سر سید احمد خاں کے نام سے مشہور ہوا اور جس نے مسلمانوں کی سب سے بڑی تعلیم گاہ۔ علی گڑھ کالج کو قائم کیا۔[۱]

سبق پندرھواں

دوسروں کی نسبت رائے زنی

اگر تم ایک لکڑی لیکر اس کو آدھا پانی کے اندر ڈالو تو اسمیں خم نظر آئے گا۔ مگر

---

[۱] ماخوذ از سوانح عمری سر سید احمد خاں مصنفہ لفٹنٹ کرنل گولڈ بام ۔۱۴

کیا وہ لکڑی سچ مچ ٹیڑھی ہے؟ لیکن اگر تم اپنی انگلی پانی میں ڈالو تو انگلی ٹیڑھی نہ معلوم ہوگی مگر لکڑی کو کبھی جب تم پانی سے نکال لو تو اس میں جو خم نظر آتا تھا وہ نظر نہ آئیگا۔ اب سوچو کہ اگر تم نے یہ کہا ہوتا کہ لکڑی ٹیڑھی ہے تو تمہاری یہ رائے غلط ہوتی یا نہ ہوتی؟

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم کسی چیز یا کسی آدمی کی نسبت رائے قائم کر لیتے ہیں مگر ہماری یہ رائے "جلد بازی" کی ہوتی ہے۔ ہم رائے قائم کرنے سے پہلے کافی غور نہیں کرتے ہیں اور اس کا ملاحظہ اچھی طرح نہیں کرتے کہ ہم کو اس کی صحیح حقیقت معلوم ہو جائے کہ فلاں چیز یا فلاں شخص کیسا ہے۔ اور ہم کو جو بات اس میں نظر آتی ہے اسکی اصلیت کیا ہے۔

عرب کے کسی معزز آدمی کی نسبت یہ شکایت کی گئی کہ وہ اپنے مہمانوں کے ساتھ بے رخی کا برتاؤ کرتا ہے اور ان کے آرام کا خیال نہیں رکھتا۔

ایک شخص نے جو ہمیشہ اس کا خیال رکھتا تھا کہ واقعات کی جانچ کر لیا کرے کہا کہ "میں خود جاؤنگا اور اسکی تحقیق کرونگا"

غرض کہ یہ شخص اُس عرب کے مکان پر گیا اس سے کہا گیا کہ "اس کمرے میں تشریف لائیے"، وہ اُس کمرے میں داخل ہوا۔ اس سے کہا گیا کہ "اس کرسی پر تشریف رکھیئے"، وہ بیٹھ گیا۔ اس سے شطرنج کھیلنے کی فرمائش کی گئی وہ شطرنج کھیلنے لگا اس کے سامنے کھانا رکھا گیا اس نے خوشی خوشی نوش جان کیا۔ اس سے

باغ کی سیر کے لیے کہا گیا وہ اپنے میزبان کے ساتھ سیر کو گیا۔

اس وقت اس نے پوچھا۔ "یا شیخ میں ایک بات آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں بعض لوگ شکایت کرتے ہیں کہ آپ اپنے مہمانوں کی راحت کا خیال نہیں رکھتے وہ کچھ اور کہتے ہیں آپ کچھ اور کرتے ہیں وہ کچھ اور چاہتے ہیں آپ کچھ اور چاہتے ہیں؟

عرب نے جواب دیا۔ "میں آپ کا مطلب سمجھا فرض کیجیے کہ ایک شخص میرے پاس مہمان آیا۔ میں نے اس کو بیٹھنے کے لئے کرسی دی اس نے اس پر بیٹھنے سے انکار کیا۔ میں نے اس کے سامنے کھانا لا کے رکھا اس نے کہا "جی نہیں معاف فرمایئے" میں نے اس سے شطرنج کھیلنے کی خواہش کی تو اس نے کہا میرا جی نہیں چاہتا" اب فرمایئے کہ ایسے آدمیوں سے کس طرح میزبان پٹ سکتی ہے کہ ایک کہے دن دوسرا کہے رات۔ جو لوگ دوستوں سے ملنا چاہتے ہیں ان کو دوستوں کے مذاق کی پیروی کرنا چاہیئے [1]

اس قصّے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اس شریف عرب کے برتاؤ کی نسبت بُری خبریں مشہور کی تھیں وہ غلطی پر تھے۔ انھوں نے اس برتاؤ کی وجہ دریافت کرنے میں تامل نہیں کیا اور جلد بازی سے کام لیا۔ لیکن جہاں یہ صحیح وہاں اتنا اور بھی کہ صاحب خانہ یعنی اس شریف کو بھی یہ لازم تھا کہ کبھی کبھی اپنے مہمانوں

[1] ماخوذ المستطرف مترجمہ حجا۔ رہٹ سفر نج)

کی خاطر سے خود ان کی خواہشوں کا تابع ہو جاتا۔ اس کو یہ نہیں چاہیئے تھا کہ جس طرح لوگ اس کی نسبت بدگمانی کرتے تھے اسی طرح وہ بھی ہر شخص کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتا۔

فرض کرو کہ تمھارے مکان کے اطراف احاطہ ہو اور اُس احاطہ میں باغ ہو اور کوئی شخص جو تم سے ملنا چاہتا ہے وہ دروازہ کھولنے کا انتظار نہ کرے اور کسی درخت کی شاخ کو جو باہر نکلی ہو پکڑ کے دیوار پھاند کر اندر آ جائے تو کیا تم اُس کے اِس فعل کو خلاف تہذیب اور وحشیانہ نہ خیال کرو گے؟

شاہ اسمٰعیل صفوی بادشاہ ایران جب خراسان کو فتح کرکے اپنے شہر کو واپس ہو رہا تھا اس وقت اس کے دل میں مشہور شاعر ہاتفی سے ملنے کا خیال پیدا ہوا۔ شاہ اسمٰعیل کو اس قدر عجلت تھی کہ وہ باغ کی دیوار پھاند کر اندر آیا اور وہیں ہاتفی سے ملاقات کی۔

ہاتفی سمجھ گیا کہ بادشاہ اپنی فتح کے واقعات بیان کرنے اور ان کے نظم کرانے کے لئے بہت بیتاب ہے اِس لئے وہ بادشاہ کی اس لغو حرکت سے ناراض نہیں ہوا اور اُس کی فتح کے واقعات نظم کرنے کا وعدہ کیا اور اپنے وعدے کو پورا بھی کیا۔[1]

اب میں تم سے ایک اور قصہ جلد بازی سے رائے قائم کرنے کے متعلق بیان کرتا ہوں جس کو سُن کر تم ہنس دو گے۔

---

[1] ماخوذ از کتاب لوقس آف پرشین پوئٹس مصنفہ ادسلی ۱۲

[illegible]

کے بعد ایک میدان میں اس کو ایک مینڈھا ملا۔ اس جانور کی عادت ہے کہ جب کسی کو ٹکر دینا چاہتا ہے تو پہلے سر جھکا کر آزماتا ہے۔ مینڈھے نے جو سر جھکایا تو سادھو مہاراج بہت خوش ہوئے کہ میں بھی کیسا مقدس آدمی ہوں۔ جانور تک میری تعظیم کرتے ہیں۔ دل میں اس خیال کا آنا تھا کہ مینڈھے نے ٹکر دی اور سادھو مہاراج اوندھے منہ زمین پر آ رہے۔ [1]

اس قصے میں جو اوپر بیان ہوا لکڑی دیکھنے میں سیدھی نظر آتی تھی مگر درحقیقت میں ٹیڑھی تھی۔

تم اکثر گھر میں مدرسے میں کارخانوں میں دفتر میں اور شہر میں ٹیڑھی لکڑیاں دیکھتے ہوگے۔

ممکن ہے کہ ایک لڑکا بالکل خاموش اور سست نظر آتا ہو مگر وہ مدرسے میں سب سے بہتر اور ہوشیار لڑکا ثابت ہو۔

ممکن ہے کہ جو استاد دیکھنے میں بہت سخت گیر اور بدمزاج ہو وہی سب سے زیادہ مہربان اور اپنے شاگردوں کو اچھی تعلیم دینے والا ثابت ہو۔

ممکن ہے کہ جو شخص تم سے دوستی کرنے میں بہت سست معلوم ہوتا ہو وہی آخر میں تمہارا بہترین دوست نکلے۔

---

[1] ماخوذ از کتاب جگنو کا مترجمہ فرانسس وڈیل ۱۲

اسی طرح ممکن ہے کہ جو آدمی اپنے اقوال و افعال کے لحاظ سے برا نظر آتا ہے اسی کے دل میں نیکی کی جھلک بھی ہو جیسا شہر اگوبیو کے رہنے والے بھیڑیئے کا قصہ مشہور ہے۔ غالباً تم اس قصہ کو سن کر خوش ہو گے:۔

کہتے ہیں کہ ملک اطالیہ کے شہر اگوبیو کے اطراف ایک بھیڑیا رہتا تھا جس نے شہر کے لوگوں کو بہت خوف زدہ کر رکھا تھا اور ان کی مجال نہ تھی کہ اس راستے سے جائیں جدھر اس خوفناک درندے کا بھٹ تھا کیونکہ وہ جانوروں کے علاوہ آدمیوں کے کھانے کا بھی عادی ہو گیا تھا۔

آخر سینٹ فرانسس نے جو عیسیٰ مسیحؑ اور بی بی مریمؑ کا خوش عقیدہ خادم اور ایک خدا رسیدہ آدمی تھا یہ قصد کیا کہ خود جا کر اس بھیڑیئے کا سامنا کرے چنانچہ سینٹ فرانسس شہر کے بہت سے آدمیوں کے ساتھ بھیڑیئے کی طرف گیا۔

بھیڑیئے نے سینٹ موصوف کو آتے دیکھکر اس پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر فرانسس نے مقدس صلیب اس کے سامنے کر دی جس کو دیکھکر خوفناک درندہ ٹھیر گیا اور اپنا سر غریب بکری کی طرح جھکا لیا۔

"بھائی بھیڑیئے" سینٹ فرانسس نے کہا "تم نے اس شہر کے لوگوں کو بہت نقصان پہونچایا ہے۔ اور لوگ تم سے بہت ناراض ہیں۔ تم اس کے مستحق ہو کہ تم کو ان جرائم کے عوض میں جو تم سے سرزد ہوئے ہیں قتل کئے جاؤ۔ مگر میں نہایت خوشی سے تمھارے اور اہل اگوبیو کے درمیان صلح کرا دینے پر آمادہ ہوں گا

بھیڑیے نے اپنا سر جھکا لیا اور دُم ہلانے لگا۔ سینٹ فرانسس نے پھر اپنی گفتگو کا سلسلہ اس طرح شروع کیا!

"بھائی بھیڑیئے! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم ان لوگوں کے ساتھ صلح رکھو گے تو وہ بھی تمھارے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں گے اور تمھاری خوراک روزانہ مہیا کر دیں گے۔ پس تم وعدہ کرو کہ اب کسی کو ضرر نہ پہونچاؤ گے"

یہ گفتگو سُن کر بھیڑیئے نے سر جھکایا اور اپنا دہنا پنجہ سینٹ کے ہاتھ میں دیا اور اس طرح سینٹ اور بھیڑیے کے درمیان صلح کا معاہدہ ہو گیا۔

اس کے بعد سینٹ فرانسس بھیڑیئے کو ساتھ لے کر اوگوبیو میں داخل ہوا اور جہاں بازار بھرتا تھا وہاں کھڑے ہو کر پھر وہی تقریر کی جو پہلے کی تھی۔ اور بھیڑیئے نے پھر اپنا پنجہ اسی طرح سینٹ کے ہاتھ میں دیا گویا ہاتھ پر ہاتھ مار کے اس امر کا اقرار کیا کہ آیندہ میں اپنا رویہ اچھا رکھوں گا اور کسی کو ضرر نہ پہونچاؤں گا۔

کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ بھیڑیا دو سال تک شہر میں رہا اور کسی آدمی یا بچے کو ضرر نہیں پہونچایا اور اہل شہر روزانہ اس کی معمولی خوراک اس کو پہنچاتے رہتے تھے۔ دو سال کے بعد بھیڑیا بوڑھاپے کی وجہ سے مر گیا اور لوگوں کو اس کی موت پر بہت رنج ہوا۔ دیکھنے میں بھیڑیا بڑھا تھا مگر اس قصے سے ظاہر ہے کہ اس کے دل میں نیکی کی پُٹ بھی تھی ہر چند کہ اُس نیکی کا اظہار اس وقت تک نہیں ہوا جب تک سینٹ فرانسس اس سے ملنے کے لیئے نہیں گیا۔ اور اُس نے اس بات کو معلوم نہیں کیا

کہ یہ خوف ناک درندہ بھی ہمارا دوست اور بھائی بن سکتا ہے۔ درحقیقت یہ ایک پرانہ قصّہ ہے اور لفظ بہ لفظ صحیح نہیں ہے مگر اس کے ذریعہ سے جو سبق ہمکو سکھایا گیا ہے وہ نہایت عمدہ اور اُس سے تم کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ دیکھنے میں بالکل بدنظر آتے ہیں ان کے دل میں بھی نیکی کا بیج پوشیدہ ہوتا ہے۔[1]

سبق سولھواں

منکسر مزاجی (۱)

دیکھو ایک جاپانی کے دروازے کی طرف ایک شخص آرہا ہے۔ یہ کون ہے؟ یہ "گلدستہ بنانے والا ہے" اس کا کام پھولوں کے ہار اور گلدستے بنانا ہے۔

صاحب خانہ ایک کشتی لے کر نکلا ہے جس میں پھول ہیں ایک چھوٹی قینچی ہے۔ ایک چاقو ہے ایک چھوٹی سی آری ہے۔ اور ایک خوش نما گلدان ہے۔

گلدستہ بنانے والا "حضور! میں اس لائق نہیں ہوں کہ جیسا گلدستہ اس خوبصورت گلدان کے لیے موزوں ہے ویسا بنا سکوں"

صاحب خانہ مہربانی سے "مجھے یقین ہے کہ تم ضرور بنا لوگے"

یہ کہہ کر صاحب خانہ اندر چلا جاتا ہے۔ اور گلدستہ بنانے والا تنہا بیٹھ کر اپنے کام

[1] ماخوذ از کتاب لٹل فورس آف سینٹ فرانسس مصنفہ ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ۔ ۱۲

میں مصروف ہوتا ہے۔ پھولوں اور چھوٹی چھوٹی ڈالیوں کو کاٹ چھانٹ کے
اور ترتیب کے ساتھ باندھ بوندھ کر ایک ایسا خوبصورت گلدستہ تیار کرکے
گلدان میں رکھ دیتا ہے جس کو دیکھکر بے ساختہ زبان سے "واہ" نکلے۔

صاحب خانہ اور اُس کے دوست پھر اُس کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔
گلدستہ بنانے والا ایک طرف کھڑا ہوکر عرض کرتا ہے۔ "حضور میرا گلدستہ بالکل
ناقص ہے اِسے نکال ڈالیئے"

صاحب خانہ "نہیں! بہت اچھا ہے"

گلدستہ بنانے والا میز پر جس پر گلدستہ رکھتا ہے قینچی چھوڑ جاتا ہے مطلب
ہے کہ اگر کسی شخص کو گلدستہ کی ترتیب میں کوئی عیب نظر آئے تو وہ قینچی سے درست کر دے

اس کاریگر نے اپنی پوری قابلیت گلدستہ کی تیاری میں صرف کر دی ہے۔ گلدستہ
بہت اچھا بنا ہے۔ مگر پھر بھی اُسکو اپنی کاریگری پر گھمنڈ نہیں ہے۔ اور اس
بات کا مقر ہے کہ مجھ سے غلطی کا ہونا ممکن ہے اور میرے کام میں نقص باقی رہ سکتے ہیں

شاید یہ جاپانی کاریگر اپنے دل میں یہ سمجھتا ہو کہ اس کا کام قابل تعریف ہے۔ دل کا
حال خدا جانے۔ مگر یہ تو ظاہر ہے کہ وہ زبان سے اپنی بڑائی نہیں کرتا۔ اور اسکا رویۂ نہایت
پسندیدہ ہے۔

برخلاف اسکے جو شخص خودستائی کرتا اور اپنے مُنہ میاں مٹھو بنتا ہے۔ لوگ اُس پر ہنستے ہیں
سُلیمان خلیفۂ دمشق کو خودستائی کا مرض تھا ایک دن جمعہ کے روز خلیفہ برآمد ہوا
اور سبز لباس سے اپنے تئیں آراستہ کیا سر پہ سبز عمامہ رکھا سبز قالین کے فرش پر

سبز مخمل کی سند بچھا کر بیٹھا اور آئینہ سامنے رکھ کر اپنے دل میں کہنے لگا۔
"حضرت محمدؐ خدا کے رسول اور پیغمبر تھے۔" ابوبکرؓ حق کی گواہی دینے والے تھے عمرؓ سچ اور جھوٹ میں فرق کرنے والے تھے، عثمانؓ حلیم اور بُردبار تھے علیؓ شجاعت میں بے مثل بے نظیر تھے، معاویہ سخی تھے، یزید متحمل مزاج تھا۔ عبدالملک اچھا حکمران تھا ولید صاحب قوت بادشاہ تھا، مگر میں سب سے زیادہ خوبصورت اور حسین ہوں۔[1]

گلدستہ ساز نے گلدستہ بنایا جس کے پھول بھی خوش نما ہیں اور ترتیب بھی اچھی ہے مگر اس کی تعریف ہم کو کرنی چاہئے نہ کہ خود بنانے والے کو۔
سلیمان بے شک خوب صورت ہے اور اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ خود بھی اپنی خوبصورتی کا علم رکھتا ہے۔ مگر اس کی اس حرکت پر ہم کو ضرور ہنسی آتی ہے کہ وہ آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر اور اپنے حُسن پر گھمنڈ کر کے یہ خیال کرتا ہے کہ میں عمرؓ اور یزید سے اس لئے اچھا ہوں کہ خوب صورت ہوں۔
مگر دوسرا قصّہ اس سے بڑھ کر احمق اور خود پسند آدمی کا ہے جس نے یہ خیال کیا تھا کہ یہ دُنیا میرے لئے ناکافی ہے اور مجھے آسمانی ممالک کو بھی فتح کر لینا چاہیئے
کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں ایران کا ایک بادشاہ کیکاؤس نامی تھا اُس نے بہت سے ملک فتح کیئے تھے اور مفتوحہ ممالک سے بے شمار دولت جمع کی تھی کوہ البرز پر دو عالی شان قصر تعمیر کیے تھے جو سونے اور جواہرات سے پٹے پڑے تھے۔ جابجا جواہر کے

---

[1] ماخوذ از کتاب حیوٰۃ الحیوان ۱۲-

ڈھیر اس طرح لگے تھے کہ اُس کے محل کے کمروں میں رات کو بغیر چراغ دن کی سی روشنی رہتی۔
اس فتحمندی اور دولت کی کثرت نے کیکاؤس کو مغرور کر دیا تھا۔ جب اسکے دل میں غرور نے جگہ کر لی تو شیطان کو جس کا یہی کام ہے کہ بنی آدم کو گمراہ کرتا رہے بہکانے کا موقع ملا۔ ایک دن شیطان ایک حسین خدمت گار کی شکل میں ایک گلدستہ لیے ہوئے بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا اور زمین پر سجدے میں جُھک کر عرض کرنے لگا۔
"جہاں پناہ دُنیا میں کون ایسا بادشاہ ہے جو حضور کا مقابلہ کر سکے۔ مگر ابھی ایک ملک حضور کے فتح کرنے کے لیئے باقی ہے۔ اور وہ بالائے دُنیا ہے یعنی سورج چاند اور ستاروں کی دُنیا اور آسمان کے وہ مخفی گوشے جہاں ابھی تک کسیکی رسائی نہیں ہوئی ہے"
بادشاہ نے کہا کہ "میں بغیر پروں کے وہاں تک کیونکر پہونچ سکتا ہوں"
خدمتگار نے "جہان پناہ اس باب میں اپنے دربار کے عُقلا یعنی موبدوں سے مشورہ فرمائیں"
غرضکہ بادشاہ نے اپنے دربار کے موبدوں کو جمع کیا اور اُن سے آسمان پر پہونچنے کی ترکیب پوچھی۔ موبدوں نے بڑے غور و فکر کے بعد یہ ترکیب سوچی کہ ایک چوکھٹا تیار کیا جائے اُس کے چاروں کونوں میں عقاب باندھ دیئے جائیں۔ چاروں کونوں پر چار بلند لکڑیاں کھڑی کر کے اُن میں گوشت کے ٹکّے لٹکا دیئے جائیں بیچ میں بادشاہ کا تخت رہے۔ عقاب گوشت کے لالچ میں پرواز کریں گے مگر گوشت کو نہ پا سکیں گے۔ اس طرح برابر اُڑتے رہیں گے اور بادشاہ کو منزل مقصود تک پہونچا دیں گے۔

یہ رائے کیکاؤس کو بھی پسند آئی چوکھٹا بنایا گیا اس میں عقاب اور گوشت جس طرح سوبدوں نے بتایا تھا باندھا گیا۔ بیچ میں بادشاہ سلامت تخت بچھا کر بیٹھے اور شراب کا ایک بڑا سا خم پاس رکھ لیا۔ عقاب گوشت کیلئے پرواز کرنے لگے مگر گوشت انھیں کیونکر ملے اس لیے کہ وہ خود بندھے ہوئے تھے اڑتے اور اونچے ہوتے چلے گیے۔ مگر کب تک! آخر بازو تھک گئے اور چاروں نے پر ڈال دیئے۔ اب کیا تھا۔ سارے کا سارا جھم بادشاہ سلامت کو لے کر چین کے ایک لق و دق صحرا میں گرا۔ کیکاؤس بھوکا پیاسا زخمی اور چوٹ کھائے ہوئے زمین پر پڑا ہے اور اب اس کو اپنی حماقت پر افسوس ہو رہا ہے آخر جب ایلچی آدمیوں کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو وہ جا کر بادشاہ کو اٹھا لائے اس کے بعد سے کیکاؤس نے نہایت عقلمندی اور نیک نامی کے ساتھ سلطنت کی اور غرور کو اپنے سر سے نکال دیا[1]

شیطان یہ تماشا دیکھ کر بادشاہ کی حماقت پر اس وقت ہنسا تھا اور ہم اب تک اس قصے کو سن کر ہنستے ہیں۔

اکثر اوقات تو ہمکو مغرور اور خود پسند کی باتوں پر ہنسی نہیں آتی بلکہ اس سے نفرت ہوتی ہے اور جو شخص ضرورت سے زیادہ خود ستائی اور غرور کرتا ہے ہم اس کو بہت برا سمجھتے ہیں۔ دنیا میں کوئی شخص خود ستا اور خود پسند آدمی کو اچھا نہیں سمجھتا حتےٰ کہ ایسے لوگ آپس میں بھی ایک دوسرے کو برا سمجھتے ہیں۔

---

[1] ماخوذ از شاہنامہ فردوسی مترجمہ اٹکنسن ۱۲۰-

راکشس راون رام کا جانی دشمن تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے نہایت کمینہ پن کی حرکت کی یعنی رام کی جورو سیتا کو چوری سے پکڑ لے گیا۔ ایسے شخص کا خود پسند اور مغرور ہونا کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔

جب رام اور لنکا کے راکشسوں کے درمیان آخری گھمسان کی لڑائی ہوئی اسوقت فتحمند رام اپنی رتھ میں اور راکشسوں کا راجہ راون اپنی رتھ میں سوار ہو کر دست بدست لڑنے کیلئے مقابلے پر آئے۔ دونوں جانب کی فوجیں یعنی راون کے راکشسوں رام کے ہمراہی ریچھ اور بندر لڑائی کا تماشا دیکھنے کو ٹھہر گئے۔

اس وقت لنکا کے مغرور راجہ یعنی راون نے پکار کے کہا "اے راما" آج اس لڑائی کا خاتمہ ہے۔ بہتر ہے کہ تو اپنی جان لے کر بھاگ جا۔ ورنہ اب تھوڑی دیر میں میرے ہاتھ سے تیری عمر کا پیمانہ لبریز ہوا چاہتا ہے۔ یہ سمجھ لے کہ تجھ کو راون سے مقابلہ کرنا ہے"

یہ غرور کی باتیں سنکر رام جی مسکرائے وہ جانتے تھے کہ راون کا آخری وقت آپہنچا ہے اپنے حریف سے خطاب کر کے بولے۔

"ہاں میں نے تیری قوت کا حال سنا ہے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ کانوں سے سنا ہے اس کو آنکھوں سے بھی دیکھ لوں۔ اتنا یاد رکھ کہ اس دنیا میں تین طرح کے آدمی ہیں جیسے تین طرح کے درخت ہیں یعنی۔ ڈھاک (پلاس) آم اور گولر۔ ڈھاک میں خوش نما پھول ہوتے ہیں اس کی مثال اُن لوگوں کی ہے جو فقط باتیں بنانا جانتے ہیں۔ آم میں پھول بھی ہوتے ہیں۔ اور پھل بھی یہ مثل ان لوگوں کے

ہیں جو باتیں بھی کرتے ہیں اور کام بھی کرتے ہیں۔ گولر کے درخت میں فقط پھل آتا ہے وہ اُن لوگوں کے مانند ہے جو کرتے ہیں مگر مُنہ سے نہیں کہتے"

دشمن اِن عقل مندی کی باتوں پر ہنسا مگر اس کے بعد سے اس کی غرور کی باتیں کرنے والی زبان ہمیشہ کے لیئے بند ہوگئی۔[۱]

سبق سترھواں

متکبر مزاجی (۲)

تم یہودیوں کے مشہور بادشاہ کہ پیغمبر) حضرت سلیمانؑ کے نام سے واقف ہو۔ ان کی عظمت وجبروت کے بہت سے قصّے انجیل مقدس اور دوسری کتابوں میں درج ہیں۔ ہم یہاں صرف ایک قصّہ انجیل سے نقل کرتے ہیں۔

سُلیمانؑ بڑے دولت مند تھے۔ اِن کے پاس ہاتھی دانت کا ایک تخت تھا جس پر خالص سونا چڑھا تھا۔ شیر کی دو مورتیں بادشاہ کی نشست گاہ کی محافظ تھیں۔ چھ شیر ببر تخت کی سیڑھیوں کے دونوں جانب سنتری کی طرح کھڑے تھے۔ سلیمانؑ کے جتنے استعمالی برتن تھے وہ سب سونے کے تھے۔ چاندی یروشلم کے شہر میں ایسی عام تھی جیسے کنکر پتھر۔ دور دراز ملکوں کے سوداگر سُلیمان کے دربار میں سونا۔ چاندی۔ ہاتھی دانت۔ سور قیمتی کپڑے ہتھیار زرّہیں گھوڑے اور خچر وغیرہ لیکر

[۱] ماخوذ از کتاب پدرامایں ص۱۲۱

حاضر ہوتے تھے۔ سلیمان ہی وہ بادشاہ تھا جس نے اپنے آباؤ اجداد اور اپنی قوم کے خدا کی عبادت کے لئے عالی شان معبد تعمیر کیا۔

مگر معبد کے تعمیر ہونے سے پہلے سلیمان نے ایک دن خدا کو خواب میں دیکھا کہ خدا ارشاد کرتا ہے۔ "مانگ کیا مانگتا ہے جو کچھ تو مانگے گا وہ تجھے ملے گا" سلیمان نے جواب میں عرض کیا۔ "میرا باپ ایک سچّا اور ایمان دار آدمی تھا اب میں اُس کے تخت پر بیٹھا ہوں اور میرے سامنے جو کام ہے وہ بہت بڑا اعظیم الشان ہے۔ میری عمر ابھی بہت کم ہے اور میں بچّہ ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں اور جس قوم پر مجھے سلطنت کرنا ہے اس کو کس طرح آرام اور راحت پہونچاؤں اس لیے میری خواہش ہے کہ مجھے عقل عطا ہو تاکہ میں اچھائی کو بُرائی سے الگ کر سکوں۔"

اس کے جواب میں خدا کا ارشاد ہوا کہ:۔

"چونکہ تو نے بڑی عمر اور بے شمار دولت کی خواہش نہیں بلکہ عقل کی خواہش کی تاکہ انصاف کو نا انصافی سے الگ کر سکے اس لیے ہم تجھے ایسی عقل سلیم عطا کرتے ہیں کہ عقل میں کوئی تیرا مقابل نہ ہوگا اور اسی کے ساتھ بڑی عمر اور بے شمار دولت بھی تیرے حصّے میں دی جاتی ہے۔"

اب تم غور کرو کہ اس نوجوان بادشاہ نے کیسی سنجیدگی اور سلیم الطبعی کی تقریر کی یعنی "میں ابھی بچّہ ہوں" کیا اس منکسر مزاجی کی باتیں کرنے کی وجہ سے سلیمان کی شان میں کوئی فرق آیا۔ منکسر مزاجی بڑے آدمیوں کی شان کو اور بڑھاتی ہے اور دیکھنے والوں کا جی خوش

ہوتا ہے۔ دیکھو میں تم سے تین قصے پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کے بیان کرتا ہوں
جس سے معلوم ہوگا کہ آپ کیسے منکسر مزاج تھے۔

(۱) آنحضرت محمدؐ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ آپ خاطر کی سواری کو زیادہ
پسند کرتے تھے حالانکہ معمولی مگر مغرور لوگ کبھی سوا گھوڑے کے دوسری سواری پر
نہ بیٹھتے تھے اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ قاطر پر سوار جاتے ہیں اور کوئی شخص راہ
میں ملا تو حضرت اس کو اپنے ساتھ بیٹھا لیتے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے کہ:۔

"میں دسترخوان پر جب بیٹھتا ہوں تو اس طرح جیسے عبد (غلام) بیٹھتا ہے اور
کھاتا ہوں تو اس طرح جیسے عبد کھاتا ہے کیونکہ درحقیقت میں عبد (خدا کا) ہوں"

(۲) ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آنحضرتؐ قبائل قریش کے کسی سردار سے باتیں کر رہے
تھے۔ آپ کے ایک صحابی عبداللہ بھی حاضر تھے۔ عبداللہ چونکہ نابینا تھے ان کو اس کا
علم نہ تھا کہ حضرتؐ کے پاس کوئی شخص اور بھی ہے وہ بیچ میں بول اٹھے اور حضرتؐ
سے آیات قرآنی ارشاد فرمانے کی فرمائش کی۔ آنحضرتؐ کو عبداللہ کی یہ حرکت
ناگوار ہوئی اور آپ نے ان کو خاموش رہنے کا حکم دیا۔ مگر بعد میں حضرتؐ کو خیال آیا
کہ آپ نے عبداللہ سے سختی برتی لہذا اُس وقت سے آپ عبداللہ کی بہت
خاطر ملحوظ رکھنے لگے اور کئی بار ان کو شہر مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔ ؎

(۳) ایک بار حضرت محمدؐ اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ جگہ تنگ تھی اور آدمی زیادہ

؎ ماخوذ از سیرت محمدؐ مولفہ میور صاحب ۱۲۰

آپ دوزانو ہوکر بیٹھ گئے کہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔

اس مجمع میں ایک بدوی عرب بھی موجود تھا جس کا خیال حضرت کی نسبت یہ تھا کہ بہت بڑے سردار بادشاہ ہیں۔ اس کو دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ حضرتؐ بادشاہوں کی طرح تخت پر بیٹھنے کے بجائے عام مجمع میں اسطرح دوزانو ہو کر بیٹھے ہیں۔ اس نے تعجب سے پوچھا کہ "ہو کیا یہی طریقہ بیٹھنے کا ہے؟"

آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا "ہاں، میں خدا کا ایک ناچیز بندہ ہوں کوئی مغرور بادشاہ نہیں ہوں"۔[1]

اوپر جو حکایتیں بیان کی گئیں ان سے تم کو خدا کے پیغمبر کی منکسر مزاجی کا حال معلوم ہوا اب ہم تم کو ایک مشہور انگریز کا قصہ سناتے ہیں جو سائنس کا بہت بڑا محقق تھا یعنی سر اسحٰق نیوٹن۔

ولایت کے صدہا آدمی۔ مرد عورت۔ بچے لندن کے مشہور گرجا میں جو ویسٹ منسٹر ایبے کہلاتا ہے نیوٹن کے مزار کی زیارت کرنے آتے ہیں اور اسکی عالی دماغی کو یاد کرکے دل سے اس کے نام کی عزت کرتے ہیں جس طرح مشہور فلسفی چارلس ڈارون کے نام کی عزت کرتے ہیں جو اسی گرجا میں مدفون ہے۔

سر اسحٰق نیوٹن ۱۶۴۲ء میں پیدا ہوا تھا اور ۱۷۲۷ء میں وفات پائی۔ اپنی عمر کی اس طولانی مدت میں اس نے نہایت غور کے ساتھ کتاب فطرت کا مطالعہ کیا اسی

[1] ماخوذ از احادیث نبوی مولفہ عبداللہ المامون سہروردی ۱۲۰

دُنیا میں جو چیزیں خدا کی بنائی ہوئی ہیں ان کی حقیقت اور حالت کا پتہ لگانے کی کوشش کی۔ اس نے کشش مرکزی یا کشش ثقل کی قوت کو جس کی وجہ سے ایک دوسری چیز کو اپنی جانب کھینچتی ہے دریافت کیا۔ اس نے پتہ لگایا کہ کس طرح چاند اور سورج سمندر کے پانی میں لہریں پیدا کرتے ہیں۔ اُس نے سورج کی روشنی کی ماہیت کو اور اس بات کو دریافت کیا کہ اس سفید روشنی میں مختلف رنگ کی شعاعیں ہیں جو دھنک (قوس قزح) کے سات رنگوں میں ظاہر ہوتی ہیں اور اسی طرح کی بہت سی باتیں نیوٹن نے دریافت کیں۔ تمام انگلستان کو اس یگانۂ روزگار شخص کے وجود پر فخر تھا جس کو کتاب فطرت کے مطالعے میں ایسا کمال حاصل تھا۔

ایک دن ایک لیڈی نے اثنائے تقریر میں اس کی عقل مندی اور لیاقت کی بہت تعریف کی۔ اس کے جواب میں نیوٹن نے کہا کہ:۔

"افسوس! میری حالت مثل ایک بچّے کے ہے جو حقیقت میں بحر زخّار کے کنارے بیٹھا ہوا سنگریزے چُن رہا ہے۔"

غالباً تم سمجھ گئے ہو گے کہ حقیقت کے "بحر زخار" سے مراد فطرت کے قوانین ہیں جن کی نسبت بڑے سے بڑا عالم بھی پوری معلومات نہیں رکھتا۔ بچّوں کا قاعدہ ہے کہ جب ندی یا سمندر کے کنارے جاتے ہیں تو کنکریاں چُن چُن کر جمع کرتے ہیں مگر ایک بچّہ کیا اندازہ کر سکتا ہے کہ جس سمندر کے کنارے سے وہ کنکریاں چُن رہا ہے اس کی وسعت کس قدر ہے پھر خیال کرو کہ فطرت کا کارخانہ یعنی اس دنیا میں جو جو

موجود ہو سکتا ہے اس سب کو ہماری عقل کہاں تک سمجھ سکتی ہے۔!
پھر اگر نیوٹن نے اپنی مثال ایک بچے سے دی تو اس کی عزت اور لیاقت
میں کیا فرق آیا؟ کچھ بھی نہیں۔ البتہ اس منکسر مزاجی کی وجہ سے ہماری نظروں
میں اس کی عزت اور زیادہ ہو گئی۔

بہت زمانہ ہوا کہ انگلستان کی ایکٹریس جس کا نام کیتھرین اسٹیفن تھا جو
لندن وغیرہ کے مشہور تھیٹروں میں گایا کرتی تھی اور ہزارہا آدمی اس کا گانا
سننے کو جمع ہوتے تھے۔ اس کی شہرت اس قدر تھی کہ ہر شخص کی زبان پر اس
کا نام تھا اور کوئی اخبار ایسا نہ تھا جس میں اس کا ذکر نہ چھپتا ہو۔

ایک بار کہیں دعوت کا جلسہ تھا اور مس اسٹیفن بھی اس میں شریک تھی
اس وقت ایک کم سن لڑکی سے جس کی آواز بہت اچھی تھی گانے کی فرمائش
کی گئی۔ لڑکی نے جو گیت گانے کو کہا وہ دو سُروں کا تھا یعنی اس کی ایک
کڑی اونچی آواز میں گائی جاتی تھی اور دوسری آواز میں۔ مگر اب سوال یہ تھا کہ اس
کے ساتھ مل کر نیچے کے سُر کو کون گائے گا۔ کوئی اس بات پر آمادہ نہ تھا کہ اس
کم سن لڑکی کے ساتھ نیچا سُر گائے۔ آخر مس اسٹیفن نے کہا کہ میں گاتی ہوں چنانچہ
انھوں نے اس لڑکی کے ساتھ مل کر گیت گایا اور اس طرح گایا کہ لڑکی کی آواز اونچی
جاتی تھی اور انگلستان کی اس مشہور مغنیہ کی آواز پست رہتی تھی۔
سننے والوں کو لڑکی کے گانے سے بڑا لطف آیا۔ اور انھوں نے بہت تعریف کی

مگر سب سے زیادہ قابل تعریف اس خاتون کی منکسر مزاجی ہے جو خوشی سے ایک کم سن لڑکی کے ساتھ گانے کو تیار ہو گئی۔

مزید حکایتیں

وِدّیا ساگر (۱)

۱۸۴۶ء میں کلکتہ کے سنسکرت کالج کے لیئے ایک ویاکرن (صرف نحو) پڑھانے والے پنڈت کی ضرورت تھی اور ایشور چند وِدّیا ساگر اس جگہ کے لیے طلب کیا گیا۔ اُس وقت وِدّیا ساگر پچاس ماہوار کے نوکر تھے اور اس نئی جگہ کی تنخواہ نوّے تھی مگر اس نیک دل پنڈت نے یہ خیال کیا کہ میرا دوست ترکا واچس پتی بہ نسبت میرے ویاکرن کی تعلیم اچھی دے سکتا ہے اور اُس نے اپنا یہ خیال ظاہر کر دیا چنانچہ یہ طے پایا کہ واچس پتی کو یہ جگہ دی جائے۔ وِدّیا ساگر کو بڑی خوشی ہوئی اور وہ خود کلکتہ سے پیدل اُس کے گانوں کو گئے جہاں واچس پتی رہتا تھا کہ خود اپنے دوست کو خوشخبری سُنائیں۔ ترکا واچس پتی اپنے دوست کی اس شرافت اور منکسر مزاجی کو دیکھکر حیران ہو گیا اور اُس نے کہا کہ وِدّیا ساگر تم آدمی نہیں بلکہ آدمی کے بھیس میں دیوتا ہو[۱]

مغرور جگنو (۲)

ایک شخص نے روشن آفتاب کی طرف دیکھ کر کہا کہ "اوہو کیا روشن ہے"!

---

[۱] ماخوذ از دیباچہ سوانح عمری وِدّیا ساگر مصنفہ ایس۔ سی۔ متر ا- ۱۲

ایک آواز آئی "جیسی دوسری چمک دار چیزیں ہیں" وہ آدمی ادھر اُدھر دیکھنے لگا کہ یہ آواز کس کی ہے۔ اور ایک جھاڑی میں اُسکو چھوٹا سا جگنو نظر آیا۔

آدمی "کیا یہ تمھاری آواز تھی"؟

جگنو "ہاں میں نے یہ کہا کہ آفتاب بھی روشن ہے اور میں بھی روشن ہوں"

آدمی "آفتاب بھی روشن ہے اور تم بھی روشن ہو"

جگنو "ہاں آفتاب چاند تارے اور میں سب روشن ہیں" [1]

(۳)

سینٹ فرانسس

ملک اطالیہ میں چار آدمی ایک پہاڑ پر چڑھ رہے تھے چاروں عیسائی سناسی تھے۔ ان کا رہنما سینٹ فرانسس تھا جو خادم مسیح کے لقب سے مشہور تھا اور دوسرے تین آدمی اسی فرقے کے سناسی تھے۔ پہاڑی چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ چوٹی پر ایک سطح میدان تھا۔ سینٹ فرانسس اسی مقام پر عبادت کرنے کے لیئے جا رہا تھا۔ سینٹ فرانسس مشہور آدمی تھا اور امیر و غریب سب اُسکی عزت کرتے تھے۔ دن گرم تھا چڑھائی بہت تھی اور فرانسس چلنے سے تھک گیا تھا۔ اس لیے اس کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص ایک کسان کے پاس گیا اور فرانسس کی سواری کے لیے گدھا مانگا

---

[1] ماخوذ از کتاب ہندوستانی کہانیاں مصنفہ راما سوامی راجو۔ ۱۲

کسان نے خوشی سے اپنا گدھا حوالے کیا۔ فرانسس سوار ہو لیا اور تینوں فقیر اور کسان پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ اُس وقت کسان نے فرانسس سے پوچھا۔

کِسان۔ "کیا تم ہی بھائی فرانسس ہو"

فرانسس۔ "ہاں"

کسان۔ "پھر تم کو ویسا ہی بننے کی کوشش کرنا چاہیئے جیسا لوگ تم کو سمجھتے ہیں تاکہ اُن کا عقیدہ تمھاری طرف سے درست رہے"

فرانسس کو کسان کی یہ باتیں بالکل ناگوار نہ ہوئیں اس لیے کہ اُس کے کان غریب اور امیر کی نصیحت سُننے کے لیے یکساں کھُلے تھے وہ فوراً گدھے پر سے اُتر پڑا اور اس دیہاتی کے قدموں پر جھک کر اُس کی نصیحت کا شکریہ ادا کیا[1]

سبق اٹھارھواں

علم کی فتح

رشی بھری گو مہاتما کوہ کیلاس کی چوٹی پر رونق افروز تھے اُس وقت بھردواج نے اُن سے حسب ذیل سوالات کیے۔

دُنیا کو کس نے بنایا۔

آسمان کتنا بڑا ہے۔

---

[1] ماخوذ از کتاب دی لٹل فلورس آف سینٹ فرانسس مترجمہ ٹی ڈبلیو۔ آرنلڈ ۔ ۱۲

پانی کس طرح پیدا ہوا۔
آگ اور ہوا اور زمین کس طرح پیدا ہوئے۔
زندگی کیا ہے۔
نیکی کیا ہے۔
اس دنیا کے بعد کیا ہے۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔
یہ سوالات جیسے مشکل اور بڑے تھے ویسے ہی ان کا جواب دینے
کے لیے بھی بڑے رشی کی ضرورت تھی۔
مگر پھر دواج کے قالب میں انسان کی روح تھی جس کی فطرت یہ ہے کہ
ہمیشہ پوچھتا رہتا ہے مگر کبھی اُس کا علم کامل نہیں ہوتا۔
بچہ سوال کرنے سے نہیں تھکتا ہمیشہ کچھ نہ کچھ پوچھتا رہتا ہے کہ یہ کیا ہے
وہ کیا ہے۔ یہ چیز کیونکر بنی۔ یہ چیز کیوں حرکت کرتی ہے۔ بجلی کیوں چمکتی ہے۔
پانی میں لہر کیوں اُٹھتی ہے۔ سونا کہاں سے آتا ہے۔ کوئلہ کہاں پیدا ہوتا ہے۔
لوہا کہاں سے آتا ہے۔ کتابیں کس طرح چھاپی جاتی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔
بچہ ہو یا آدمی ہمیشہ سوال کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب ہم کو کوئی بات
معلوم ہے تو ہم جواب دے سکتے ہیں۔ ہم تعلیم دے سکتے ہیں۔ ہم علم کو پھیلا سکتے
ہیں ہمکو کیا سیکھنا چاہیئے اور کیا سکھانا چاہیئے کیا اس کی ضرورت ہے کہ دنیا
میں جو کچھ گذرا ہے ہم اُس سب کی نسبت معلومات پیدا کریں۔ کیا اسکی ضرورت ہے کہ

دُنیا کے تمام انسان جو الفاظ بولتے ہیں ہم اُن سب کے یاد کرنے کی کوشش کریں
مہابھارت کی مشہور نظم میں اُن تیروں کے بہت سے نام آئے ہیں جو پانڈو۔ اور
دوسرے سپاہی استعمال کرتے تھے۔ مثلاً سارا۔ دانا۔ ایشو۔ سیاکا۔ پاٹرن۔ کانڈا۔
وشی کا۔ نرچا۔ وپیاٹھا۔ پرشتکا۔ بھالا۔ تومرا۔ سالیا۔ اشیکا۔ سلی موکھا۔ انجالیکھا
مگر یہ ضرور نہیں ہے کہ ہم تیروں کے یہ سب نام یاد کریں اسی طرح بہت سی چیزیں
اور بہت سے نام ہیں جن کے یاد کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں ہے۔

ہم اخباروں کی باتیں کرتے ہیں جہازوں کے تباہ ہونے قتل۔ ڈاکہ۔ فوجداری
دیوانی مقدمات۔ جنگ آتش زدگی۔ جلسے شادیاں۔ اور ایسے ہزاروں باتوں کا
خیال ہمارے دل میں گذرتا ہے۔ اور اُنکے حالات ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں۔
مگر پھر چند منٹ میں بھول جاتے ہیں۔

جب ہم قرآن (مجید) کھولتے ہیں تو اُس میں ہم کو ایک سورۃ نظر آتی ہے جسکا
عنوان "النبا" ہے جس کے معنے خبر کے ہیں اُس وقت ہم کو اُن سب چیزوں کا
خیال پیدا ہوتا ہے جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔

مگر آنحضرت محمد صلعم کوئی معمولی انسان نہ تھے جن کو بڑی خبروں اور ہنگاموں
میں لطف آتا۔ سورۃ النباء کو پڑھو تمہیں شروع ہی میں ہمکو جو عجائبات نظر آئینگی اُسکا ترجمہ یہ ہے

"شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان رحم والا ہے کیا یہ بات پوچھتے ہیں لوگ
آپس میں اُس بڑی خبر سے جس کی نسبت وہ ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے

ہیں - وہ اب جان لیں گے۔ نہیں نہیں وہ اب جان لیں گے ۔ کیا ہم نے نہیں بنایا
زمین کو بچھونا ۔ اور پہاڑوں کی میخیں ۔ اور تم کو بنایا ہم نے جوڑے جوڑے سے۔ بنایا
ہم نے تمہاری نیند کو ماندگی کا دور کرنے والا - اور بنایا رات کو اوڑھنا اور بنایا
دن کو روزی پیدا کرنے کے لیئے ۔ اور بنائیں تمہارے اوپر سات چھتیں مضبوط اور
بنایا ہم نے ایک چمکتا ہوا چراغ اور برسایا ہم نے پانی بادلوں سے کہ پیدا کریں اس سے
اناج اور سبزہ اور باغ ہرے بھرے ۔"

اس طرح پیغمبرؐ صاحب نے انسانوں کے دلوں کو روشن کیا تاکہ وہ بڑی بڑی
چیزوں کا خیال کر سکیں اور ایسی چیزوں کو سوچیں اور سمجھیں جن کی خوبصورتی
پائدار ہے اور ایسی باتوں کو سُنیں اور باور کریں جو انسانوں کو یہ سکھاتی ہے کہ
اس دُنیا کی زندگی نہایت عمدہ اور شریفانہ ہے۔

اس لیے ہم کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ بعض الفاظ اور باتیں یا چیزیں اس قابل
نہیں ہوتیں کہ ان کو کہا یا سُنا جائے ۔ اور بعض باتیں کہنے اور سُننے کے قابل ہوتی ہیں
چاہے اُن کے دریافت کرنے میں کتنی ہی زحمت کیوں نہ اٹھانی پڑے ۔

آدمی کی قوت اُسکے دماغ سے ہے ۔ ہاتھ پیر اور جملہ اعضاء دماغ کے تابع
ہیں جو سوچتا اور منصوبہ بناتا ہے ۔ خیال کرو کہ جس وقت سے انسان اس زمین پر
آباد ہوا ہے اس وقت سے اس وقت تک اس نے نیچر پر کسقدر فتح حاصل کی ہے۔
ذیل میں جو قصہ رام جی کے سمندر پار اُترنے کا بیان کیا جاتا ہے اس سے انسان

کی قوت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ جسوقت رام جی ہندوستان کے ساحل پر پہونچے اور انکو معلوم ہوا کہ ان کی پیاری رانی سیتا جزیرۂ لنکا میں قید ہیں اُس وقت اُن کو سمندر پار جانے کا خیال پیدا ہوا۔ رام جی کی فوج بہت بڑی تھی مگر یہ فوج بندروں اور ریچھوں کی تھی۔ بھلا یہ جانور پانی سے کیونکر پار اُتر سکتے تھے؟

مگر رام جی کی دوربین ذہن رسا اور دل بہادر تھا۔ انھوں نے پہلے نہایت نرم الفاظ میں سمندر سے پوچھا:۔

"مہا ساگر! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ میری فوج کو گذر جانے دے"

مگر سمندر نے کچھ جواب نہ دیا۔ تین دن رام جی انتظار کرتے رہے۔ آخر انھوں نے اپنے بھائی کو بلا کر کہا:۔

"لچھمن میری کمان اور تیر لاؤ۔ میں نے اس سمندر سے التجا کر کے اپنی بات کھوئی۔ جسطرح کوئی کسان اپنا بیج ریتی میں بو کر ضایع کرے"

رام جی گو آدمی کے بھیس میں تھے مگر آخر دیوتا تھے جب انھوں نے سمندر کی پُر شور لہروں پر تیر چلایا جس سے سمندر کے کلیجے میں سوراخ پڑ گیا اور اسکو سخت ایذا پہونچی اور جتنی مچھلیاں سمندر میں تھیں سب ڈر گئیں۔ اسوقت سمندر کی روح نے برہمن کا قالب اختیار کیا جو ایک سونے کی تھالی میں جس میں نذر کیلئے جواہرات بھرے ہوئے تھے دو زانو ہو کر دیوتا کے سامنے سر ٹیک کر رہے تھے۔

سمندر نے رام چندر جی کے کنول کے سے پانوں پکڑ لیے اور عرض کی کہ:۔

"مہابلی مہاراج! میرے گناہوں کو معاف کریں میں بھی مثل اپنے ہم جنسوں یعنی ہوا۔ خاک۔ اور آگ کے ہوں۔ مگر وہ اس قدر بے حس اور متحمل ہیں کہ تجھ ایسے دیوتا کا حکم بھی نہیں سنتے۔ آج تک میں نے کسی بہادر کا حکم نہیں مانا تھا مگر آج سے میں آپ کا تابعدار ہوں جو مرضی مبارک ہو وہ کیجئے"

اس وقت رام چندر جی نے مسکرا کر فرمایا کہ:۔

"تو ہی سمندر مجھے یہ بتا کہ میری فوج تیری پر شور لہروں اور طوفانی سطح پر سے کس طرح گذر سکتی ہے"؟

سمندر نے جواب دیا:۔

"میرا پانی اُن پتھروں اور چٹانوں کو جو تیری فوج کے آدمی اس پر پھینکیں گے اپنی چھاتی (سطح) پر سہارے رہیگا اور اسطرح ہندوستان سے لنکا تک ایک پل تیار ہوجائیگا"

اس وقت رامچندر جی نے اپنی فوج کی طرف مخاطب ہو کر دیا کہ

"اس سمندر پر پل بنایا جائے"

فوج۔ "رام کی جے"!

غرض کہ رام جی کی فوج کے بندروں اور ریچھوں نے درختوں کی ڈالے اور پہاڑوں کے پتھر اور چٹانیں توڑ توڑ کے جمع کیں اور ان کو معماروں کے چودھری نل اور نیل کے پاس لے گئے۔ نل اور نیل نے اُن پتھروں اور لکڑیوں کو ملا کر اس طرح باندھا کہ وہ چیم کا چیم پانی پر تیرنے لگا اور رام جی کی فوج اُس پر سے گذر گئی۔

رام جی ہندوستان کی ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کے بیٹھے اور اپنی سب فوج کے پُل پر سے گزرنے کا تماشا دیکھتے رہے۔

جس طرح رامچندر جی نے سمندر کی روح سے اپنی اطاعت کروالی اسی طرح انسان کا دماغ جو بنی نوع انسان کی افضلیت کا نمونہ ہے اسی سمندر پر فتح حاصل کر لیتا ہے[۱] سمندر ہی نہیں بلکہ سمندر کے علاوہ اور بہت سی چیزوں پر بھی انسان نے فتح حاصل کی ہے۔ مثلاً اس نے ہوا پر قبضہ کر لیا ہے جس سے وہ اپنے بادی جہازوں اور ہوائی چکیوں کو چلاتا ہے۔ اس نے برف اور یخ پر فتح پائی ہے کیونکہ اکثر سیاح قطب شمالی اور قطب جنوبی کے منجمد مقامات اور برف پوش پہاڑیوں کی بلند چوٹیوں تک پہونچے ہیں۔ انسان نے جنگلی چرندوں پر فتح حاصل کی ہے اور تمام دنیا میں اس نے ایسے حیوانات کو ہلاک کیا ہے جن سے اس کی ذات کو یا بال بچوں کو ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہے۔ مثلاً۔ ببر۔ شیر۔ بھیڑیا۔ سانپ۔ شارک[۲] وغیرہ اور ہر چند کہ انسان کو سمندر پر ابھی بہت زیادہ قدرت نہیں حاصل ہے مگر زمین پر اس نے اپنی قوت کو منوا لیا ہے۔ انسان نے جہاں ایسے جانوروں کو جو ضرر اور صدمہ پہونچاتے ہیں ہلاک اور زمین کو پاک کیا ہے وہاں کارآمد جانوروں کی حفاظت اور پرورش بھی کی ہے مثلاً بیل گھوڑے ہاتھی وغیرہ۔ لیکن یہ تمام فتوحات جو انسان نے اس دُنیا کی چیزوں پر حاصل کیے ہیں وہ سب

---

[۱] ماخوذ از کتاب راماین تلسی داس ترجمہ۔ ایف۔ ایس۔ گروزر۔ ۱۲

[۲] شارک ایک قسم کا دریائی جانور مثل بڑی مچھلی کے ہوتا ہے جو جہاز کو توڑ دیتا ہے۔ مترجم

اپنے ہاتھ اور اوزاروں اور ہتھیاروں کے زور سے کی ہیں اور ہاتھ اور اوزار اور ہتھیار دماغ کے نوکر ہیں۔
انسان جو معلومات کے زور سے فتح پاتا ہے پہلے وہ علم حاصل کرتا ہے اور پوچھتا ہے
اور پھر پوچھتا ہے اور پوچھتا ہے اور اس طرح جو کچھ معلومات ہوتی ہے اُس کو
محفوظ رکھتا ہے یہاں تک کہ حقیقت معلوم کر لیتا ہے۔

قدیم تاریخوں میں کبھی آدمی فاتح کے لقب سے یاد کیے گئے ہیں۔ یہ فاتح
اس طرح کے تھے جیسے:۔ سکندر اعظم جس نے مغربی ایشیا اور مصر کو فتح کیا جولیس
قیصر رومی جس نے اُس ملک کو فتح کیا جو آج فرانس کہلاتا ہے اور پھر برطانیہ کو
فتح کرنے کے لیے اپنی فوجیں سمندر پار لے گیا۔

بابر بادشاہ جس نے شمال ہندوستان کو فتح کیا۔

شہنشاہ نپولین جس نے ایک وقت میں یورپ کے بہت بڑے حصّے کو فتح کر لیا تھا۔

مگر تم بھی فاتح بن سکتے ہو۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو تم اپنے ارد گرد کے حالات
دیکھ کر سیکھ سکتے ہو۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جو اُستادوں اور کتابوں سے سیکھنے کی ہیں۔
پس پوچھو۔ تلاش کرو۔ سیکھو۔ اور فتح کرو اُسوقت تم بھی اپنے نام کے ساتھ فاتح لکھ سکو گے

سبق اُنیسواں

علم طب ہنود

یونان کا مشہور بادشاہ سکندر اعظم، اپنے آبائی وطن یورپ سے ہندستان

کی طرف فوج لے کر روانہ ہوا اور اس سفر میں اس کے بہادر سپاہیوں کو بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ ہم خیال کر سکتے ہیں کہ اتنے بڑے سفر میں اس کو اپنے آدمیوں کی دیکھ بھال اور چارہ سازی کے لیے طبیبوں کو ہمراہ رکھنا ضروری تھا۔ اس کے متعلق یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سکندر نے اپنی فوج میں دو ہندو طبیبوں کو بھی رکھا تھا جو بعض ایسی بیماریوں کا علاج کر سکتے تھے جن سے یونانی طبیب بالکل ناواقف تھے یہ کہا جاتا ہے کہ جس نے سب سے پہلے علاج کا باقاعدہ طریقہ دریافت کیا یہ لوگ اپنے علم طب کو آیورویدیعنی علم صحت کہتے تھے جن باتوں میں ان لوگوں کو کمال حاصل تھا وہ حسب ذیل تھیں۔

گوشت سے تیروں اور پتھروں کے ریزوں کا نکالنا اور اُس سے جو زخم پیدا ہو جائیں اُنکو درست کرنا آنکھ۔ کان۔ ناک وغیرہ کو جو صدمہ پہنچے ان کا علاج کرنا بچوں اور ماؤں کی حفظان صحت کی خبر گیری کرنا۔

زہر کا علاج اور اُس کا دفعیہ کرنا۔

دو دواؤں کو ملا کر تب دوا تیار کرنا یعنی علم کیمسٹری کا عملی استعمال کرنا۔

ہزار برس سے زیادہ زمانہ ہوا جب ایک ہندو مصنف نے طب کی ایک کتاب تصنیف کی تھی اس کا نام چرک تھا اس کتاب میں خون جلد غذا حواس اور ایسی بیماریوں کا جیسے بخار۔ جذام۔ دمہ۔ مرگی وغیرہ کا ذکر ہے چرک کی اس کتاب کی سیکڑوں نقلیں کر لی گئیں اور عربوں نے اُس کا ترجمہ عربی زبان میں کیا۔ اسلیئے

عربوں کو فن طب میں بڑا دخل تھا۔

دوسرا ناسور شخص جس نے علم طب میں شہرت حاصل کی سسرتا تھا اسکی کتاب میں مختلف بیانات کا ذکر ہے اور مختلف قسم کے جڑ چھال پھل پھول تخم دودھاری درخت کڑوے درخت گوندو غیرہ کا اور جن جن مقامات پر پیدا ہوتے ہیں ان کا بیان ہے نیز اس کتاب میں سسرتا نے مختلف طرح کے عرق نکالنے اور مرکب دواؤں کے بنانے کے طریقے بتائے ہیں۔

علاوہ اس کے قدیم زمانے کے ہندوؤں کو ایسی بعض اور چیزوں کا بھی علم تھا جو دوا کے کام میں آسکتی ہیں۔ مثلاً پہاڑی نمک۔ پھٹکری۔ گندھک کیا ایک طبیب جو تکلیف بہادری اور موت سے جنگ کرتا ہے ایسا ہی بہادر نہیں ہے جیسے بہادر رام چندر جی تھے جنھوں نے لنکا کے راکشسوں سے جنگ کی اور زمین آسمان کو تیروں سے بھر دیا؟

یونانی

یونان میں ایک پہاڑی کے اوپر جھاڑیوں کے جھنڈ کے درمیان ایک مندر بنا ہوا تھا۔ اس مندر کا رخ ایسا تھا کہ ٹھیک دوپہر کے وقت اسکی عمارت پر اور اسکے اطراف کے درختوں اور ان مریضوں پر جو مندر کے برآمدے میں مقیم تھے آفتاب کی شعاعیں بالکل سیدھی پڑتی تھیں۔

یہ مندر صحت کے دیوتا سے منسوب تھا اور جسکا مجسمہ (مورت) مندر کے بیچوں بیچ میں رکھا تھا اور بیمار لوگ وہاں آکر اسکے سامنے سر نیاز جھکاتے اور اپنی تندرستی کی دعا مانگتے تھے اس دیوتا کا نام اسکولا پیس تھا اور اس کی مورت بہت بڑی بنائی گئی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں ایک زبردست عصا تھا دوسرا ہاتھ ایک سانپ کے سر پر رکھا تھا اور قدموں کے قریب ایک مہیب شکاری کتا پڑا تھا دیواروں پر چھت میں تصویریں بنی تھیں جن میں بہادر اوتار اژدہوں کو قتل کرتے ہوئے دکھائے گئے تھے اور کیوپڈ دیوتا کی مورت بھی ایک حسین لڑکے کی صورت میں بنائی گئی تھی جس کا بشاش چہرہ دیکھکر غمگین آدمیوں کا رنج دور ہو جاتا تھا۔ کوٹھریوں اور برآمدوں میں چٹائیاں اور پلنگ بچھے تھے جن پر بیماروں کو لٹاتے تھے اور طبیب اُن کو کھانے اور پینے اور لگانے کی دوائیں دیتے اور انکو غذا اور پرہیز بتاتے اور اپنی تندرستی کے لیے اسکولا پیس یا دوسرے دیوتاؤں کی درگاہ میں دعائیں مانگنے کا طریقہ سکھاتے تھے۔

اسی مندر میں پانسو سال قبل مسیح یونان کا مشہور طبیب بقراط اپنے کمال سے لوگوں کو فائدہ پہونچاتا تھا اُس نے اپنی ساری زندگی انسان کے بدنی حالات اور اُسکی صحت اور بیمار ہونے کے اسباب کی تحقیقات میں صرف کردی اُس نے اپنی ایک کتاب میں ایسی اشیاء کے حالات لکھے جن کا تعلق انسان کی تندرستی سے ہے۔ مثلاً ہوا اور اُسکے اثرات۔ دھوپ اور اُسکے فواید یا نقصانات کے

اقسام۔ مکان بنانے کیلئے زمین کی موزونیت اور ناموزونیت اصول حفظان صحت کے لحاظ سے ایسے درختوں اور پودوں کا ذکر جو ہماری غذا کے کام آتے ہیں۔ یا ہمارے مکان کے اطراف اُگتے ہیں اور اُن سے خوشبو یا زہریلی ہوائیں نکلتی ہیں۔ ان باتوں سے تم کو معلوم ہوگا کہ یونان کے عقلمندوں نے ہمکو یہ سکھایا ہے کہ رہنے سہنے کے طریقوں کو ہماری تندرستی میں بہت بڑا دخل ہے غرضکہ طبیب کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ وہ ہمکو اپنے اجسام کی خبرگیری کرنے کے طریقے بتائے بلکہ وہ ہمکو یہ بھی سکھاتا ہے کہ ہم اپنے مقام بود و باش کی حالت کو بھی غور کرتے رہیں۔

مسلمان

شہر بخارا ایک نہایت خوشنما اور سرسبز مقام پر واقع ہے گو کہ اس مقام کے گھروں کی زمین بالکل ویران اور صحرائی ہے۔ شہر کی گلیاں تنگ ہیں۔ اور اسکے بیچ میں نہریں کاٹ کر نکالی ہیں۔ یہاں سو سے زیادہ درس گاہیں ہیں جن سے بخارا تعلیم کا مرکز بن رہا ہے تقریباً ایک ہزار سال پہلے ایک ایرانی محصل کے ایک کم سن لڑکے کا نام بخارا اور اُسکے قرب و جوار میں ہر شخص کی زبان پر چڑھا ہوا تھا دس سال کی عمر میں یہ لڑکا قران کا حافظ ہوگیا تھا اور اُسکو صدہا شعر زبانی یاد تھے۔ ایک سبزی فروش اُسکو حساب سکھاتا تھا۔ اس کو کبھی ایسی کتابوں کے پڑھنے سے سیری نہیں ہوتی تھی جن سے اسکو نئی باتیں معلوم ہوتیں۔ جب

کبھی وہ اپنے سبق کا مطلب سمجھنے میں الجھتا جیسا کہ اکثر لڑکوں کا قاعدہ ہے تو وہ مسجد میں جا کر نماز ادا کرتا اور اللہ سے دعا کرتا یہاں تک کہ اسکی مشکل حل ہو جاتی اور جس چیز کو وہ دشوار سمجھتا تھا وہ اسکے لیے آسان ہو جاتی۔ ایک دفعہ اس نے ایک کتاب کسی دوکان سے تھوڑی سی قیمت میں خریدی جس کی اسکو بہت ضرورت تھی اس کتاب کے ملنے سے اس کو اس قدر خوشی ہوئی کہ وہ غریبوں کو خیرات دینے کے لیئے بھاگا تاکہ دوسرے بھی اس کی خوشی میں شریک ہوں۔

یہ لڑکا بو علی سینا تھا جو بہت بڑا طبیب اور عالم گذرا ہے۔ بو علی نے صرف اپنی زندگی ہی میں لوگوں کو دوا سے فایدہ نہیں پہونچایا بلکہ بہت سی طب کی کتابیں لکھ کر چھوڑ گیا جن کی وجہ سے اس کا علم ہمیشہ کے لیئے زندہ ہے اور اسکے بعد کی نسلیں آج اس سے فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ جب وہ ایران بود و باش اختیار کرنے کی غرض سے آیا تو اصفہان کے امیر نے اس کو اپنے ملک کے تمام حکیموں کا افسر بنا دیا اس زمانے میں یہاں جنگ چھڑ گئی اور بو علی سینا کو چالیس روز تک اپنے ایک دوست کے گھر میں پوشیدہ رہنا پڑا۔ اس حالت میں بھی بو علی نے اپنا وقت بیکاری میں نہیں صرف کیا۔ بلکہ وہ اس پر بھی اپنے قلم اور زبان سے کام لیتا یعنی کتابیں لکھتا اور لوگوں کو تعلیم دیتا رہا۔ شام کو عملی کاموں سے فارغ ہونے کے بعد بو علی اپنے شاگردوں کو لے کے گاتا بجاتا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بو علی کی خوش مزاجی مصیبت کی حالت میں بھی قایم تھی۔ آخری وقت میں بو علی

نے اپنا تمام مال و اسباب محتاجوں کو تقسیم کر دیا اور اپنی لونڈی اور غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اور اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ لوگ بو علی کو حکیموں کا سردار کہتے تھے اور جو لوگ طب حاصل کرنا چاہتے تھے وہ اسی کی کتابیں پڑھتے تھے۔ عرب یہود اور عیسائی بو علی کی عزت کرتے تھے۔

انگریز

گلاسگو ملک اسکاٹ لینڈ میں ۱۸۶۰ء کے قریب ایک ہسپتال میں بہت سے مریض جمع تھے۔ یہ سب زخمی تھے اور اکثروں کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی تھیں ہر چند دائیاں اور ڈاکٹر بیماروں کی خبر گیری اور دوا علاج میں بہت کوشش کرتے تھے۔ مگر بیماروں کو جلد شفا نہ ہوتی تھی۔ خاص کر ان لوگوں کی حالت بہت خراب تھی جن کے زخم کھلے ہوئے تھے۔ مگر اس کی وجہ سنیئے! جب اس کمرہ کی زمین کھودی گئی جس میں بیمار کھودے گئے تھے تو اسکے نیچے سے بہت سے ایسے صندوق برآمد ہوئے جن میں وہ مردے دفن گیے تھے جو اس وقت سے بیس سال پہلے طاعون کی بیماری سے مرے تھے۔ ان نعشوں کے جسم سے طاعونی کیڑے جو پیدا ہوئے تھے وہ زمین کے اوپر آکر مریضوں کے زخموں میں لپٹ گئے تھے جس کی وجہ سے ان کے خون میں زہر پھیل گیا تھا۔ اب خیال کرو کوئی درندہ تمھارے گھر کی طرف آنے لگے تو ضروری ہے کہ تم گھر کا دروازہ بند کر دو۔ اسی طرح اگر زہریلے کیڑے زخموں کی طرف آنے لگیں تو زخموں کا بند کر دینا ضروری ہے؟

مگر یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے اور زہر سے مقابلہ کرنے کی کیا تدبیر ہے؟ اس لیے
لیے ایسی کوئی چیز ہونی چاہیئے جو زہر کو مار سکتی ہو یعنی اسکا اثر زایل کرسکتی ہو۔
گلاسگو کے ہسپتال میں ایک انگریز ڈاکٹر تھا جس کا نام جوزف لسٹر تھا۔ جسکی
کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس نے اس بارے میں اپنی عقل کو لڑایا اور ایک ایسی چیز
دریافت کی جو زہر کو مارتی ہے۔ یہ دافع زہر دوا ایک مائع (بہنے والی) چیز ہے
جس میں کسی طرح کی بو نہیں ہوتی اور اگر اس کا ایک ذرا سا قطرہ زبان پر رکھیں تو
زبان جلنے لگتی ہے اور اسکو زیادہ مقدار میں پی لینے سے انسان مر جاتا ہے۔ یہ مائع
چیز تارکول یعنی ڈامر سے نکلتی ہے اس کو کاربولک ایسڈ کہتے ہیں۔ اگر تم اپنے استاد
یا کسی ڈاکٹر سے کہو وہ تم کو دکھا دے گا۔ یہ ایک تیزاب ہے جو شیشیوں میں رکھا جاتا ہے
یہ تیزاب آدم کیڑوں کو مار ڈالتا ہے جو ہمارے خون کو زہریلا کر دیتے ہیں ایسے
زہریلے کیڑے ہمیشہ ہوا میں اڑتے رہتے ہیں جو لوگ تندرست اور مضبوط
ہیں ان کو تو ان کیڑوں سے چنداں نقصان نہیں پہونچتا مگر یہ زخموں میں بہت جلد
اتر جاتے ہیں اور ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر لسٹر نے کاربولک ایسڈ کو السی کے تیل میں ملا کر اس میں روئی کو بھگویا
اور اسکے پھاہے ان بیماروں کے زخموں پر رکھے جو کسی طرح اچھے نہ ہوتے تھے
اسی طرح جب لسٹر کو زخموں میں نشتر وغیرہ دینے کی ضرورت ہوتی تو وہ اس کو
تیزاب میں ڈبو لیتا تاکہ اسکے اثر سے کیڑے ہلاک ہو جائیں۔ غرضکہ کس طرح لسٹر

نے خطرے کا دروازہ بند کر دیا اور زہر کا اثر زخموں سے دور کر کے بیمار ونکو اچھا کیا اب بھی سب ڈاکٹر اس طریقے سے لاکھوں آدمیونکو اچھا کرتے ہیں اور ہزار ہا آدمی جنکو لسٹر کے اس دافع زہر کی خبر نہیں ہے۔ وہ خون میں زہر کے سرایت کر جانے سے ہلاک ہو جاتے ہیں یہ ڈاکٹر بعد میں لارڈ لسٹر کے لقب سے مشہور ہوا اور تمام لوگ اس سے واقف ہیں۔

ہم نے ہندو یونانی مسلمان اور انگریز طبیبونکا مختصر حال تم سے بیان کر دیا۔ اب اگر تم بیمار ہو اور کسی ڈاکٹر کے پاس جاؤ تو کیا اُسکو دیکھو گے کہ وہ ہندوستانی ہے غریب ہے یونانی ہے یا انگریز ہے۔ علم طب کی برکت اور اُسکے فائدے سب کیلئے یکساں ہیں جس طرح ایک ہندوستانی ڈاکٹر ایک یوروپین کی مدد کرنے کو تیار ہو اُسی طرح ایک یوروپین ڈاکٹر ایک ہندوستانی کی مدد کرے گا۔

ہم تم کو ایک قدیم قصہ سناتے ہیں اسے غور سے سنو۔

رانتی دیو ایک راجہ تھا جس نے سلطنت چھوڑ کے فقیری اختیار کر لی تھی اور جنگل میں رہا کرتا تھا اور اپنا سارا مال و دولت محتاجونکو تقسیم کر دیا تھا اور اپنے بال بچوں کے لیے بہت تھوڑا سا رکھ لیا تھا۔ ایک دفعہ اُسنے اڑتالیس دن کا روزہ رکھا۔ افطار کے وقت دودھ خشکہ اور شکر اُس کے سامنے رکھے گئے۔ اتفاق سے ایک غریب برہمن نے اُسکی جھونپڑی پر آکر سوال کیا رانتی دیو نے اپنے کھانے میں سے آدھا اُسکو دیدیا اُسکے جاتے ہی ایک شودر آکر پہونچا جو بچا تھا اس میں سے آدھا رانتی دیو نے اسکو دیدیا جب وہ بھی چلا گیا تو ایک کتا آیا اور رانتی دیو اُسکی طرف

دیکھنے لگا چونکہ کتے کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت بھوکا ہے رانتی دیوانے
باقی کھانا اُسکو ڈال دیا سب سے آخر چند لا اُدھر سے گذرا اور اس نے بھی سوال کیا
جو دودھ اور شکر باقی تھی وہ رانتی دیوانے اُس کے حوالے کر دیا اور خود بھوکھا رہا
اُس وقت چار دیوتا رانتی دیوا کے پاس آئے اور کہنے لگے؟
اَو رانتی دیوا تو نے اس وقت جو خیرات دی اُسکے پانے والے ہم تھے کیونکہ ہم ہی
برہمن شودر کتے چنڈال کا بھیس لیکر آئے تھے مگر تو نے ان سب کے ساتھ نیکی کی
اور ہم تیری اس سخاوت سے بے انتہا خوش ہوئے۔
اس نقل کے بیان کرنے سے یہ مطلب ہے کہ جو لوگ نیک ہوتے ہیں وہ
سب کے ساتھ یکساں نیکی کرتے ہیں بلکہ حیوانوں کے ساتھ بھی نیکی سے پیش آتے ہیں۔
سائنس کی برکتیں ہر شخص تک پہونچانی چاہئیں خواہ وہ مشرق کا رہنے والا ہو خواہ مغرب کا

سبق بیسواں

گھوڑے کی قربانی

سلہ قدیم زمانے میں دیوتاؤں کے نام پر گھوڑے کی قربانی چڑھانا بہت متبرک
کام سمجھا جاتا تھا۔ یہ جانور خدا کی عمدہ مخلوقات میں سے نہایت عمدہ مخلوق ہے اسکا گنی
سوما اور دوسرے دیوتاؤں کے نام پر ذبح کیا جانا بجائے خود بہت اچھی قربانی تھی
مگر انتہائی عقیدت کا اظہار کرنے کیلئے اس قربانی کو اس طرح ادا کرتے تھے کہ جس سے اُنکے عمل میٹھا تحمل استقلال اور

سلہ نوٹ۔ یہ سبق کسی قدر عمر طلبا کے لیے ہے ۱۲

عقیدت کا پتہ چلتا تھا جو رسمیں اس قربانی کے ساتھ ادا کی جاتی تھیں ہم اُن
میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں۔ چار پجاری گھوڑے کو نہلاتے تھے سورا پچھم جانب
کھڑے ہوتے تھے اور اُن کا رُخ پورب طرف ہوتا تھا۔ سورتھ بان اور جل دار پورب طرف
کھڑے ہوتے تھے اور اُن کا رُخ پچھم جانب ہوتا تھا۔ سو ویش اور شودر جنوب کی طرف کھڑے
ہوتے اور اُن کا رُخ شمال کی طرف ہوتا۔ اور سو چھتری شمال کی طرف کھڑے ہوتے اور انکا ساتھ
جنوب کی طرف ہوتا اس طرح ایک چوکور حلقہ بنایا جاتا تھا جس کے اندر اس گھوڑے
کو مارنے کیلئے کھڑا کرتے تھے۔ جب گھوڑے پر پانی ڈالا جاتا اسوقت سو منتری پڑھتے
جاتے۔ ایک پوجاری گھوڑے کے کان کے قریب منہ لے جا کر اس مقدس حیوان کے
مختلف نام لیتا۔ اسکے بعد پھر منتر پڑھتے اور اُسکو سو راجاؤں کی حفاظت میں دیتے۔
چار سو سردار سو چھتری سو شودر اور سو ویش اس کو حلقے میں لیے ہوئے گیارہ
مہینے تک ایک مقام سے دوسرے مقام پر پھراتے رہتے۔ اس گیارہ مہینے کی مدت
میں وہ کسی وقت گھوڑے کو اپنی نگاہ کے سامنے سے دور نہ کرتے اور نہ اسکو کوئی ضرر
پہونچنے دیتے اور سوا اس کام کے اور کوئی کام کرتے۔ گھوڑے کو جو کھلا کھلاکے خوب
تیار کرتے گیارھویں مہینے میں اُسکے لیے صندل کی لکڑی کا تھان تیار کیا جاتا اس کو قربانی
کرنے سے پہلے ایک سو اسی پالو اور جنگلی جانوروں کی قربانی کی جاتی۔
جب خود گھوڑے کی قربانی کا وقت آتا تو اس کو عطریات سونگھاتے اور
ایک ہزار جواہر کا مالا سونے کے تار و نگیں گوندھ کے اُسے پہناتے۔ ایک فیتا اگنی میں ترکیب سے خوش

کرتے اس کے اوپر سے چھپڑا اور اس کے طلا کا زریں پوش بچھاتے اور یہاں گھوڑے کو قربانی کرتے۔ جب وہ دم توڑنے لگتا اس وقت بھجن گائے جاتے۔ سات بار ایک عورت اسکے ارد گرد پھرتی پھر اسکو اور مردہ گھوڑے کو لال کپڑا اڑھاتے اور پوجاری دونوں کی تعریف میں بھجن گاتے۔ اسکے بعد گھوڑے کی کھال کھینچی جاتی اس وقت عورتیں گیت گاتیں۔ پھر نو سفید گائیں دو بیل چند بچھڑے وغیرہ کی قربانی اس کے علاوہ کی جاتی۔ جو برہمن قربانی کے وقت بھجن اور اشلوک پڑھتے انکو ایک گاڑی دو بیل اور سو دودھ دینے والی گائیں دان کے طور پر دیجاتیں۔ [1]

جو کچھ اوپر مذکور ہوا یہ بطور فرض کے کیا جاتا۔ ہندوستان کے بزرگوں کو انکے پنڈتوں نے یہ بتایا تھا کہ تمام رسمیں نہایت تحمل اور استقلال کے ساتھ انجام دینی ضرور ہیں تاکہ دیوتا خوش ہوکر آدمیوں پر مہربانی کریں۔ گھوڑے کی قربانی قدیم ہندوؤں کے مذہبی مراسم کا ایک لازمی جزو تھی اور اسکے متعلق جتنی رسمیں تھیں انہیں سے ہر ایک کو نہایت صبر و استقلال کیساتھ ادا کرنا ضروری تھا۔ اسلیے ہم انکے اس تحمل اور استقلال کی عزت کرتے ہیں مگر ایک کام اور بھی ہے جسکے لیے تحمل اور استقلال اور محنت و توجہ کی ضرورت ہے۔ ایسے اور بھی کام ہیں جنکے لیے تحمل و استقلال جفاکشی اور توجہ کی ضرورت ہے نیز بنی نوع انسان کے ایسے بہت سے خدمت گذار بھی ہیں جن کی عزت کرنی چاہیئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو جمع علم میں محنت کرتے۔ موجودات عالم کا غور سے مطالعہ کرتے۔ اور ایسی باتوں کو دریافت کرتے ہیں جو دنیا کی ہر روزہ زندگی میں کارآمد ہوں۔

---

[1] ماخوذ از کتاب "برہمن آف دی ویداز" مصنفہ کے۔ ایس۔ میکڈانلڈ ۱۲

جس پوری تفصیل کے ساتھ ان مراسم کا ذکر کرنے کیلئے زیادہ وقت درکار ہے
جو گھوڑے کی قربانی میں ادا کیے جاتے تھے۔ اسی طرح اُن کاموں کا تفصیل ذکر کرنے
کے لیے بھی بہت وقت درکار ہے جو سائنس کے متحمل اور جفاکش عالموں نے انجام دیئے ہیں
ان کے کاموں کی مختصر فہرست یہ ہے:۔

انھوں نے کاشتکاروں کی زمین ناپنے کیلئے خطوط مستقیم مربع مثلث وغیرہ ایجاد کیئے۔
انھوں نے (۱-۲-۳-۴) وغیرہ ایسے اعداد چھوٹے اعداد سے جن کو وحشی بھی گن لیتے ہیں
بڑے بڑے اعداد نکالے جن سے زمین کا وزن اور ستاروں کی بلندی کا شمار کیا جا سکتا ہے
انھوں نے گنتی کا وہ اعلیٰ درجے کا علم نکالا جسکو علم حساب اور جبر و مقابلہ ریاضی کہتے ہیں۔
انھوں نے زمین کے گرد چاند کے گردش کرنے کے راستے کی پیمائش کی اور دریافت
کیا کہ چاند چار ہفتے میں اس راستے کو طے کرتا ہے۔
سورج کی حالت کا اندازہ کر کے دریافت کیا کہ وہ دسمبر میں اس نقطے پر ہوتا
ہے جو بہت نیچا ہے اور ماہ جون میں سب سے اونچے نقطے پر۔
اُن دنیاؤں کو یعنی اُن ستاروں کو دریافت کیا جو آفتاب کے گرد گھومتے رہتے ہیں
اس بات کو دریافت کیا کہ چاند اور سورج میں گہن کیوں لگتا ہے اور وہ کیوں سیاہ
نظر آتے ہیں۔ اُنھوں نے تاروں کا حال دریافت کر کے اُس کا ایک علم مرتب کیا
جس کو علم نجوم یا علم ہیئت کہتے ہیں۔

اُنھوں نے قدرت کے اس قانون اور قاعدے کو دریافت کیا جسکی وجہ چیزیں اوپر سے

نیچے گرتی ہیں خواہ وہ ہاتھ سے اوپر ہاتھ سے اوپر پھینکی گئی ہوں یا کسی آلے کے ذریعے سے جیسے بندوق کی گولی پھینکی جاتی ہے اور اس قانون کو دریافت کیا جسکے اثر سے زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔

انھوں نے روشنی کی حقیقت کو اور اس سے دھنک (قوس قزح) میں جو سات رنگ پیدا ہوتے ہیں اس کو اور تصویر کھینچنے کے طریقے کو دریافت کیا۔

برقی قوت کا پتہ لگایا جس سے ہمکو روشنی حاصل ہوتی ہے جو ریل گاڑیوں۔ ٹرام گاڑیوں اور مشینوں کو چلاتی ہے۔ اور جسکے ذریعہ ہم سے دور دراز ملکوں تک منٹوں میں خبر پہونچا سکتے ہیں۔

انھوں نے گرمی اور سردی کی مقدار معلوم کرنے کا طریقہ ایجاد کیا اور یہ دریافت کیا کہ گرمی اور سردی سے لکڑی۔ دھات اور پانی وغیرہ پر کیا اثر پڑتا ہے۔

اس بات کو دریافت کیا کہ ہوا آواز کو کس طرح لے جاتی ہے اور آلات موسیقی کے تاروں سے صدا کس طرح نکلتی ہے۔

بیلون (غبارہ) ایجاد کیا جو آسمان کی طرف اڑتا ہے اور بادلوں کے پار نکل جاتا ہے اور ہوائی جہاز کو ایجاد کیا جو عقاب کی طرح پرواز کرتا ہے۔

ریل گاڑی۔ دخانی جہاز اور ملین (دگر نیاں) چلانے کیلئے اسٹیم انجن ایجاد کیئے۔

انھوں نے پانی کے نیچے محوز (پتھروں) کے اور سمندر کے کنارے چٹانوں کے بننے اور پہاڑوں ندیوں کے بہاؤ سے گھاٹیوں کے پیدا ہونے کے عمل کا پتا لگایا۔

(علم فزکس)

انھوں نے مٹی، ہوا، آگ، اور پانی کے اجزا کو جن سے یہ عناصر مرکب ہیں بغور دیکھا اور اُن کے خواص دریافت کیے۔

اس دُنیا کے بھیدوں کو آشکارا کر دیا جس کو مہاکتاپرا جنبی نے (جیسا کہ قدیم قصوں میں مذکور ہے) بنایا تھا۔ آکسیجن۔ ہیڈروجن (جن دونوں کے ملنے سے پانی بنتا ہے) نیٹروجن اور دوسری گاسوں کا پتہ لگایا۔

ٹین۔ تانبا۔ لوہا۔ سونا۔ چاندی وغیرہ دھاتوں کو دریافت کیا اور ایسی معدنی اشیا کا پتا لگایا۔ جیسے گندھک۔ فاسفورس۔ ریڈیم وغیرہ۔

گول گاس۔ تارکول۔ رنگ۔ سوڈا۔ گندھک کا تیزاب۔ کاربونک ایسڈ وغیرہ بنانے کا طریقہ معلوم کیا (علم کیمیا یا کیمسٹری)

اُنھوں نے انسان اور حیوان کے اعضا۔ رگوں پٹھوں اور ہڈیوں کے اعمال خواص کا علم حاصل کیا۔

حیوانات کے عادات معلوم اور اُن کو گرفتار کرنے۔ ہلاک کرنے۔ پالنے اور اُن سے عمدہ ترین نسلیں پیدا کرنے کے طریقے دریافت کیئے۔

حیوانات کے گوشت۔ ہڈی۔ سینگ۔ چمڑا۔ بال۔ نسیں۔ پر اور گھونگوں کو کام میں لانے کی ترکیبیں معلوم کیں۔

پودوں اور درختوں کے خواص و عادات اور اُنکے بڑھنے اور اُنکی فصلیں دو رکرنے یا کھینچنے کے متعلق معلومات بہم پہونچائی اور اس بات کا علم حاصل کیا کہ باغ کس طرح لگائے جاتے ہیں۔ لکڑی سے کیا کیا کام لیئے جاتے ہیں چھالیں کن کن مصرفوں میں آتی ہیں اور

پتے جڑیں۔ رس اور پھل سے کیا کیا فایدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور پھول کے درخت کس طرح لگائے جاتے ہیں کہ ان میں جنگلی پھولوں سے بہتر پھول آئیں۔
معلوم کیا کہ کسطرح درختوں پر اُچکنے والا بندر حیوانات کی دوسری انواع سے پیدا ہوا۔ اور یہ کہ خود انسان تناسخ (کرما) کے طول طویل تسلسل کا نتیجہ ہے اور یہ کہ انسانیت کی روح اُس زمانے کے مقابلے میں جب کہ وہ جنگل کے حیوانوں کے درمیان گردش کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ کیونکر مدارج ترقی پر پہونچا۔

علم بیالوجی

انھوں نے انسانوں کی مختلف نسلوں کی اصلیت کا پتہ لگایا۔ ایشیائی۔ افریقائی امریکائی۔ یوروپین سفید۔ زرد۔ سیاہ وغیرہ۔
اور معلوم کیا کہ انسان نے آگ کے خواص کیونکر دریافت کیئے جانوروں کا پالنا اور بیج کا بونا کس طرح سیکھا۔ اُسکو مکان بنانا اور مل جل کر رہنا کسطرح آیا۔ وہ موجودات فطرت مثلاً پتھر۔ درخت۔ سورج چاند وغیرہ کی پرستش کیونکر کرتا تھا۔ انسان نے گاؤں اور قصبے۔ اور شہر کس طرح آباد کیئے۔ اور اپنے لیئے راجہ اور بادشاہ کسطرح انتخاب کیئے اور مذہبی و تجارت پیشہ اور زراعت پیشہ گروہ کیونکر پیدا ہوئے۔ ذاتوں کی تفریق کیونکر پیدا ہوئی اور کیوں بعض ملکوں میں اب تک باقی ہے اور بعض میں نہیں ہے۔ مختلف انسانوں کی عبادت کے طریقے کیا تھے مصر کے لوگ کن دیوتاؤں کو پوجتے تھے۔ یونان میں کیا دستور تھا اور روم میں کیا تھا۔ اور کس طرح مختلف قومیں ایک دوسرے کے حالات سے ان بہادر سیاحوں کے سفرناموں کے ذریعے

سے واقف ہوئیں جنھوں نے خشکی اور سمندر کی راہوں سے بڑے بڑے سفر طے کئے تھے۔

(سوشیالوجی یا علم سیاست مدن)

انھوں نے حق کو باطل سے اور بھلے کو بُرے سے اور قانون کو جُرم سے علیحدہ کیا
سکھایا کہ ایک خاندان کے لوگوں کو کس طرح باہم مل جل کر رہنا چاہئے اور مالک
اور خادم۔ آقا۔ اور نوکر۔ بادشاہ اور رعایا کو آپس میں کیا تعلق رکھنے چاہئیں۔
خودداری یکجائی۔ انسان وحیوان کے ساتھ ہمدردی۔ انصاف الملک الدین کے معنی سمجھائے
اخوت یعنی انسانی بھائی چارہ۔ انسانیت اور امن وامان کے معنے سمجھائیے۔

(علم اخلاق)

اور یہ علماء اب تک سیکھ رہے ہیں۔ غور کرتے ہیں۔ سوچتے ہیں۔ ایجادیں
کرتے اور قدیم ایجادوں پر ترقی کرتے جاتے ہیں۔

ہم کو تم کو بھی لازم ہے کہ اُن کے ساتھ سیکھنے سوچنے اور ترقی کرنے میں شریک ہوں
ہم تم بھی دنیا کی ترقی میں مدد کرسکتے ہیں۔ مگر ان تمام کاموں اور فرائض کیلئے استقلال کی ضرورت ہے۔
ہم قدیم زمانے کے بزرگوں کی پامردی اور استقلال کی عزت کرتے ہیں جو ہر چھوٹے
سے چھوٹے کام کو جسکو وہ تاؤنکے خوبکی نے کیلئے ضروری سمجھتے بڑے استقلال سے کرتے تھے۔
ہم علمائے سائینس کے استقلال اور کوششوں کی عزت کرتے ہیں جنھوں نے بنی نوع انسان کے فائدہ کیلئے مشقتیں اٹھائیں

نوٹ۔ میرے دوست اسٹر ڈی میر مینا ابر کی رائے میں یہ سبق کم عمر طلباء کی سمجھ سے بالا ہے اسلئے میں نے اسکو
بڑی عمر کے طلباء کے لیئے مخصوص کردیا ہے۔ اس سبق سے میرا منشا یہ ہے کہ طالبعلموں کو سرسری طور پر
معلوم ہوجائے کہ علمائے سائینس کی پامردانہ تحقیقات سے کیا کیا نتائج برآمد ہوئے ہیں ۱۲

تمام شد